پاسبان

اہلسنت کا واحد ترجمان

الہ آباد

PASBAN

ALLAHABAD

قیمت ۳۰ نئے پیسے

رفقائے ادارہ

محمد میاں کامل سہسرامی — سید اظہار اشرف کچھوچھوی — فتحی سلیمانی — اجمل سلطان پوری — ڈاکٹر ... الہ آبادی — بیکل بلرامپوری

رفقائے اعزازی

ابوالوفا فصیحی غازی پوری، سید اسرار الحق شاہجہاں پوری، سید مظفر حسین کچھوچھوی، شاہ سراج الہدیٰ گیاوی، سید ابوالفتح چشتی، ارشد القادری جمشید پوری، محمد ابوذر ربانی ایم اے، عبدالشان مبارکپوری، مظفر پوری

زیر سرپرستی مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اعظم اڑیسہ بانی ادارہ

ماہنامہ پاسبان الہ آباد

جلد ۱۴ — ماہ مارچ و اپریل ۱۹۷۶ء — شمارہ نمبر ۹، ۱۰

امام احمد رضا نمبر — قیمت ۳

مدیر

مشتاق احمد نظامی

فاضل علوم مشرقیہ

قیمت فی پرچہ ۶ — ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ

پاکستانی حضرات ہمارے پاکستانی نمائندے کو روپیہ بھیجکر رسید منی آرڈر دفتر پاسبان الہ آباد بھیجدیں رسالہ کا اجرا ہو جائیگا۔

پاکستان میں روپیہ جمع کرنے کا پتہ

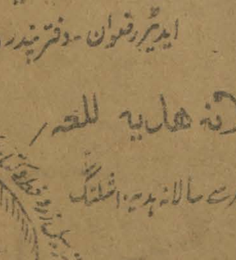
مولانا سید محمود صاحب رضوی

ایڈیٹر رضوان — دفتر ہفت روزہ رضوان اندرون دہلی دروازہ لاہور

پاکستان

سالانہ ہدیہ للعہ / سالانہ ہدیہ برائے پاکستان

ممالک غیر سے سالانہ ہدیہ اشلنگ بشکل پوسٹل آرڈر



شاہ سہروردی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پاسبان کی خریداری کے سلسلہ میں جو رقم عنایت کی تھی وہ اس پرچہ پر ختم ہو گئی۔ اب سال آئندہ کے لیے یا تو سالانہ قیمت چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں یا وی، پی۔ کی ہمیں اجازت دیں۔ اگر کسی وجہ سے آپکو پاسبان کی خریداری منظور نہیں تب بھی ہمیں مطلع کریں تاکہ ادارہ آپ سے متعلق اپنی آخری رائے قائم کریگا اور آپکی اجازت کے بغیر آپکے نام وی پی نہ بھیجے گی

نسیم رحمت و فردوس ادب

حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی ایڈیٹر پاسبان، مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم مرتب فرما رہے ہیں اردو سے متعلق فردوس ادب کے چار حصے اور دینیات سے متعلق نسیم رحمت کے تین حصے چھپکر مکتبہ پاسبان میں موجود ہیں۔ وقت کی ایک اہم کمی نظامی صاحب نے پورا فرمایا ہے ضرورت ہے کہ دونوں کتابیں مکاتب اسلامیہ میں داخل نصاب کیجائیں اور مسلمان بچے کو یہ کتابیں پڑھائی جائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ پاسبان الہ آباد نمبر ۳

انوار احمد نظامی پرنٹر پبلشر نے سلیمی پریس — الہ آباد میں چھپوا کر دفتر پاسبان، الہ آباد نمبر ۳ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین امام احمد رضا نمبر

مئی اور جون سنہ ۶۲ء کا مشترکہ شمارہ "محدث اعظم نمبر" شائع ہوگا۔

امیر کارواں

از: عندلیب گلشن رسالت راز الٰہ آبادی

رازِ وحدت کا جہاں میں راز داں کوئی نہ تھا
شمع تھی محفل میں روشن۔ کوئی پروانہ نہ تھا

کفر کے بادل فزائے دہر پر چھائے رہے
چھا گیا تھا زندگی کی رہگذاروں پر جمود
سیکڑوں ابلیس بھی تھے بھیس میں انسان کے
ابر میں پوشیدہ تھا علم و یقیں کا آفتاب
شرک تھا جب ناز کرنا احمدِ مختار پر
ہر ولی ہر غوث کو بے دست و پا سمجھا گیا

اُمتِ ختمِ رسل کا پاسباں کوئی نہ تھا
تشنہ لب تھے سیکڑوں۔ ساقیٔ میخانہ نہ تھا

راہرو ایمان کی راہوں سے کترائے رہے
خاک کے ذرّے فلک پر چاند تاروں پر جمود
لوٹنے والے تھے لاکھوں دولتِ ایمان کے
دے نہ سکتا تھا کوئی باطل پرستوں کو جواب
نکتہ چیں تھے لوگ علمِ سیدِ ابرار پر
یا رسول اللہ کہنے پر تھا فتوی شرک کا

کفر پر اک دن مشیت کو جلال آ ہی گیا
ربّ اکبر کو شہِ دیں کا خیال آ ہی گیا

صورتیں تسکین کی نکلیں دلِ سیماب سے
اس کرن نے راہِ ایماں کو منوّر کر دیا
اس کرن کو اہلِ دیں احمد رضا کہنے لگے
اس کا دل عشقِ محمد میں ہمیشہ چور تھا
اہلِ سنّت والجماعت کا وہ رہبر ہو گیا

اک کرن پھوٹی اچانک چرخ پر مہتاب سے
دشت کو گلشن تو کانٹوں کو گلِ تر کر دیا
کشتیٔ اسلام کا سب ناخدا کہنے لگے
رند تھا ساقیٔ مدینہ بے پئے مسرور تھا
اس نے جو کچھ لکھ دیا کاغذ پہ پتھر ہو گیا

رازؔ کے ایمان و حرمت کے نگہباں زندہ باد
زندہ باد اے مفتیٔ احمد رضا خاں زندہ باد

”فاضل بریلوی بارگاہِ رسالت میں“

از استاذ العلماء حضرت مولانا
حافظ عبد العزیز صاحب
شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ
مبارک پور

زمانہ خوش دلی در یاب دُر یاب
کہ ہر دم در صدف گوہر نباشد“

میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دار الخیر اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دورِ طالب علمی ہے، جس میں نو سال تک سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی۔ اور استاد محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا۔ اس مبارک زمانہ میں اکثر علماء و مشائخ و بزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی۔ اُنھیں بزرگوں میں سے حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ موصوف کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی، اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موصوف نے بیان فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے، اُن کی آمد کی خبر پاکر اُن سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا۔ مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے ہیں اُن کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ نذرانہ پیش کرتے تھے، مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بفضلہ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں، مجھے ضرورت نہیں۔ ان کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا مقصد تو بڑا اہم تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا فداک ابی و امی کس کا انتظار ہے۔ ارشاد فرمایا احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہیں۔ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف اُنکی ملاقات کیلئے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

اس سے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو عاشقان رسول یوں ہی نوازے جاتے ہیں:۔

عبد العزیز عفی عنہ
۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۴ھ

ہماری مجبوریاں

جنوری ۱۹۶۲ء کی کاپی پریس جا چکی تھی کہ اثنا رمیں حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال کی خبر آئی۔ چنانچہ کور پیج کے اندرونی حصے میں اس کا اعلان کیا گیا اور اظہار غم میں ٹائیٹل پیج سرنگوں کر دیا گیا جیسا کہ دنیائے صحافت کا دستور ہے۔ جنوری کے شمارے میں "امام احمد رضا نمبر" کا اعلان تھا۔ مگر پاسبان بورڈ نے یہ طے کیا کہ "امام احمد رضا نمبر" کو "محدث اعظم نمبر" میں شریک کر کے کئی سو صفحات پر مشتمل ایک عظیم نمبر شائع کیا جائے جس کا پوسٹر کے ذریعہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔

لیکن چند در چند وجوہ کے باعث پھر دونوں نمبر کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ آج "امام احمد رضا نمبر" آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اب مئی اور جون کا مشترکہ شمارہ "محدث اعظم نمبر" ہوگا۔

ہمیں افسوس ہے کہ اسی ادھیڑ بن میں فروری کا رسالہ نہ شائع ہو سکا۔

مکتبۂ پاسبان

فردوس ادب و نسیم رحمت کی مکمل سٹ مکتبۂ پاسبان میں موجود ہے۔ خون کے آنسو جلد دوم چھپ رہی ہے جلد اول کے کچھ نسخے مل سکیں گے تیسرا ایڈیشن پریس میں چھپ رہا ہے۔

اپنے مکاتب و مدارس کے منتظمین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے یہاں نسیم رحمت و فردوس ادب کو داخل نصاب کر کے بچوں کے معیار تعلیم کو اونچا بنائیں۔

اس کے علاوہ فاضل بریلوی کے رسائل، جاء الحق، نشاط زندگی، اشک ندامت، نغمہ و ترنم، جلوۂ حرم، مہمان عرش، خورشید عرب، حدائق بخشش وغیرہ بھی مکتبۂ پاسبان سے طلب فرمائیں۔

اوائل مئی میں محدث اعظم نمبر منظر عام پر آجائے گا۔ فاضل گرامی مولانا غلام علی صاحب عزیزی القادری خطیب چھپاسرا اس کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ ادارۂ پاسبان مولانا موصوف کا شکر گزار ہے جس کی تفصیل "محدث اعظم نمبر" میں شائع کیجائے گی۔

مشتاق احمد نظامی

اعلان مسرت

دنیائے سنیت میں یہ خبر انتہائی مسرت سے پڑھی جائے گی کہ فخر ملت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی پارلیمنٹ کے انتخاب میں کامیاب ہو گئے۔

ادارۂ پاسبان موصوف کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ "محدث اعظم" میں اس عنوان پر تفصیلی مضمون حاضر کیا جائے گا۔

نظامی

شذرات

از:- مشتاق احمد نظامی

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم إنّ اللہ یبعث علیٰ رأس الخ

(۱) سرورِ کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگارِ عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتوں کو یاد دلاتا ہے۔ وہ مردِ حق تجدید و احیارِ دین کی کٹھن راہوں سے گذرنے میں تیرِ ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید و بند کی کٹھنائیوں سے بھی اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ وہ کوئی سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہوکر کلمۂ حق کو واپس لے لے، بلکہ آمرانہ و جابرانہ طاقتیں خود اس کے قدموں پر جھکتی ہیں اور حق کا پرستار بلاخوف لومۃ لائم دین کی حمایت اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرأت بیباک سے کام لیتا ہے۔ غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں مگر نہ پوچھئے اس کے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیاں کہ قہر و غضب کے بادل امنڈتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے۔ نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اس کی جبینِ استقلال پر بل نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا اسے مجدد کے نام سے یاد کرتی ہے۔

---

(۲) یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو قدسی نفوس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا۔ ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی و رہنمائی کے لئے ہر تیرہ و تاریک فضا میں کوئی نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آتا رہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظام شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجدد دین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جا سکتا ہے وہ تاجدار اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور اعلیٰ حضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی۔ امام فخرالدین رازی۔ امام غزالی۔ ابوبکر باقلانی۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے وقت میں احیارِ دین فرماتے رہے۔ اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گا۔ کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر (الحق یعلو ولا یعلیٰ) حق خود

بلند ہوتا ہے .... وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہونچتا اور نہ تو کسی باطل کی ہوا خیزی سے اس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے۔ دنیا کی فرعونی و طاغوتی طاقتوں نے انکا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح ایسی نمودار ہوئی جس کی روشنی پہ تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا۔ اور ان کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں۔ چنانچہ تاجدار اہل سنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماء دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

---

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل ہے۔ چونکہ امام اہل سنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقۂ ارادت کی وسعت غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں۔ بلکہ کشور علم کا تاجدار جس وقت سیف قلم لے کر رزمگاہ حق و باطل میں اترا ہے۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور تجدید تام ہی ہے۔ انسان کی اس صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اُجاگر ہے۔ اور اس جوہر گراں مایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں بھرپور ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو۔ یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیائے سنت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے (ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ انھیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام نامی ہے۔

(۴) الحاد و بے دینی کی مہیب فضا۔ کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا۔ نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکیٹ جس میں شرک و بدعت (ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا) کی جگہ لے چکی تھی۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیئے جاتے، استمداد و نداء میلاد و قیام ختم نبوت و علم و غیب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت و نیز حکومت وقت کے ایما و اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہا جاتا تھا۔ اور یہ فتاوے کیوں نہ دیئے جاتے (سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا ہے) انگریزوں سے ساز باز تھا۔ علماء اہل سنت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش میں دریائے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا۔ علمائے اہل سنت کا شیرازہ منتشر تھا۔ ایک جہتی ختم ہو چکی تھی۔ تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر و نا آشنا تھے۔ اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھرپور تھا۔ موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس دار العلوم تھا اور جمعیۃ کا جتھا بھی تھا۔ طفل مکتب مصنف بن چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا۔ ہر عبارت پہ مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا حفظ الایمان کی ایک گندہ و توہین آمیز عبارت پر بسط البنان۔ توضیح البیان۔ مکالمۃ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ کوچہ و بازار میں آ چکے تھے۔ کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس لیے نئے نئے شگوفہ کھلاتا اور نئی نئی پھلجھڑی چھوڑنا مصلحت وقت کا عین تقاضا تھا ——— کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی ختم نبوت پر۔ کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی

عظمت ولایت کی توہین۔

---

(۵) غرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی، چرخ کہن نوحہ گر تھا۔ قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے۔ اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا۔ حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادوں کی جھڑی تھی۔ عقیدت مندوں کا سینہ نالاں کناں تھا۔ رسول پاک کے فدائی ماہیٔ بے آب تھے۔ حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے۔ عظمت ولایت پر مرمٹنے والے سسک رہے تھے اس طرف اغثنی یا رسول اللہ کے نعرے تھے، یا غوث المدد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی ــــــ مقابلہ آسان نہ تھا۔ نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے بھی مقابلہ تھا۔ جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ سیاہ اور سنگریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

---

(۶) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لاکر رہی۔ اہلسنت کے آنسو رحم و کرم کی موسلا دھار بارش بن کر رہے۔ یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر اوج ثریا سے بھی بلند ہوا۔ شب دیجور کے پردے چاک ہوئے "پو پھٹی"، "گگر نمودار ہوئی"، "کرن ضیا پاش ہوئی"! آسمان ہدایت پر ایک نیا ستارہ چمکا۔ بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا۔ چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا۔ جس نے عجم و عرب کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا۔ آیا۔ کون آیا وہ ہی جس پر دنیا سنیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے ہاں وہ آیا۔ جو سفینۂ سنیت کا ناخدا بن کر آیا۔ جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت عبد المصطفےٰ مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت و شوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

---

(۷) ویسے تو اعلیٰ حضرت کی زندگی پیکر علم و عمل تھی۔ علماء عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا۔ جس کی ادنیٰ شہادت حسام الحرمین ہے۔ جس میں علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ آپ کے علمی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا۔ لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے خصوصی علل و اسباب ہیں جس کی بنا پر دنیا امام اہل سنت کو مجدد ماننے پر مجبور ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنی بے مائگی کا پورا پورا احساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین میں قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور پر اہل نہیں۔ محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دار العلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ پیکیٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق "حیات اعلیٰ حضرت" پر نظر پڑی تو وفور شوق میں اوراق گردانی کرنے لگا۔ مگر اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا۔ یعنی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید۔ میرے خیال میں جلد اوّل کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی۔ ہو سکتا ہے بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ کٹیہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیئے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی و تحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کر دے۔ ورنہ میری نگاہ میں حیات اعلیٰ حضرت ایک عالم و فاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت

کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی جا سکے۔ یہ تنقید و تبصرہ نہیں۔ بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

---

(۸) اعلیٰ حضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے۔ لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت چمنستان علم و ادب کے ایسے شاداب و بے مثل گلدستہ ہیں جس کی وجہ سے انہیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جا سکتا ہے۔ متبحر عالم۔ جید فاضل۔ مفتیٔ دوراں، مناظر اعظم۔ فقیہ زماں۔ ماہر فلکیات۔ جامع معقول و منقول۔ آفتاب شریعت۔ ماہتاب طریقت۔ غرض کہ عربی گرامر سے لے کر ادب۔ معانی و بیان و بدیع۔ فقہ۔ تفسیر و حدیث۔ منطق و فلسفہ، علم جفر و تکسیر ہیأت و ریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی۔ اور ہر ایک میں ایسی دستگاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں۔ لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہبی و وجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی۔ جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خط فاصل کھینچتی ہے۔ وہ ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

---

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے و پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے گرد و پیش ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک اس کے کار تجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑ احقاق حق و رد ابطال ہے۔ زندگی سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر اور روایات جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہونچی ہیں۔ جہاں تک ردّ وہابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیٰ حضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیرآبادی و مولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اول جائزہ نہیں لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدایونی کی زندگی پر تصوف و کشف و کرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے سکسپیر سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ میں طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاجدار اول تصور کئے جاتے ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی علماء کے طبقہ میں جید عالم اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں۔ لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت، شیخ طریقت متعلم و معلم راعی و رعایا، حاکم و محکوم ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مل مزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

---

(۱۰) میں نے متقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لئے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقاد سے، طبیب کا طبیب اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکتا ہے چونکہ اعلیٰ حضرت کے کار تجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جا سکتا ہے تو علامہ فضل حق اور مولانا فضل رسول بدایونی کو لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصّہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے، اور اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی احیاء سنت اور رد ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیث تجدید نہیں ہے بلکہ محض ردّ وہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنت کا کار تجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر

زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصے میں پروان چڑھتا رہی۔ اللہ اکبر نہ پوچھئے، اس مردِ حق بین کی مجاہدانہ "تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے۔ مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

---

(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے۔ جس وقت ہندوستان کے محبوب لیڈر مولانا محمد علی اور ان کے دوسرے حوارین تحریک خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ لئے تھے اور کانگریس کے مایۂ ناز لیڈران بھی ترکی و برطانیہ جنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبد الباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک خلافت کے ایک جزء بن گئے تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے ناآشنا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو وحید عصر حضرت مولانا عبد الباری علیہ الرحمہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرما لیں۔ قربان جایئے ان حق پرستوں کی للّٰہیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھجک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم و عار۔ یہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ جرأت بیباک جسکے سامنے اکابر علماء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

---

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کر رہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰحضرت کا زورِ قلم علماء عرب و عجم کو دعوت فکر دے رہا تھا۔ مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولوی شبلی نعمانی کی تالیفات سے سیرت النبی مایۂ ناز تالیف ہے۔ لیکن ارباب فکر و نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولانا شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نقل و روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے۔ کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی یہ ایک مولف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق۔ اس کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا۔ لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعہ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایت پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایتوں کی فراہمی کے بعد اظہار حقیقت میں خاموش رہنا۔ کچھ تو ہے "جس کی پردہ داری ہے" کا مصداق ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ تحکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی۔ یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

---

(۱۳) بات بہت دور آ گئی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے۔ جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل و کمال کی داد لے رہے تھے، البتہ ابتک میں نے جتنے نام پیش کئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا۔ خواہ وہ علامہ شبلی ہوں یا مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ ایک ان میں سے مورخ ہے۔ دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ طریقت۔ ہاں ایک نام باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے۔ وہ بہشتی زیور کے مولف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰحضرت سے کیا جائے۔

(۱۴) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے اس نہج سے انھیں مجدد کہا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مولف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ابہام توہین بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مؤلف حشا تم رسول جناب تھانوی صاحب کو مجدد کہا جا سکتا ہے جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پاگل مجنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت اندیش کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمان حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پہ پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کان پور کی سرزمین پہ تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک وبدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات و منکرات ہی کا رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمائیے۔ ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبد العزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی، بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابو جہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا۔ اور اگر تصنیف و تالیف کی کثرت وبہتات پہ نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دسترخوان کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب کی بہار شریعت اور تھانوی صاحب کی بہشتی زیور کا اگر موازنہ کیا جائے تو یہ ادعائے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصے پہ بہار شریعت کا ایک نسخہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو بہار شریعت کے ایک حصے سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکتہ الآراء تصنیف بہار شریعت کے مقابل نہ لائی جاسکے وہ فتاوی رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جا سکتی ہے جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ اعلیٰ حضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سا قدر مشترک ہے جس کی بنا پر ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکے۔ اس لئے جمہور علماء کا باتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کامل تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی۔ پوری زندگی احیاء سنت اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گذاری مگر نوک قلم پہ کبھی ایسی بات نہ آئی۔ جس سے اشارۃً وکنایۃً یہ سمجھا جا سکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے۔ لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام تجدید و احیاء دین رکھتے ہیں جیسا کہ جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انھیں مجدد کہہ سکے۔

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پہ مچھلیوں کا کھیل کود ہو۔ اے خالق کائنات۔ جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل ونہار ہو۔ اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پہ بلبلوں کی نواسنجی ہو۔ اس وقت تک آقائے نعمت سیدی مولائی تاجدار اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ عبد المصطفٰے محمد احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پرانوار پر تیرے رحم وکرم کے پھولوں کی بارش ہو۔

آمین ثم آمین۔

فاضل بریلوی

از امیر طریقت حضرت علامہ مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو — قسیم جانِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
غریقِ بحرِ الفت مستِ جامِ بادۂ وحدت — محبِ خاص منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا — جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی — ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ — جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
مزین جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کی — وہ لعلِ پُرضیا تم ہو وہ دُرِ بے بہا تم ہو

عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو — عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں — وہ قطبِ وقت اے سرخیلِ جمعِ اولیا تم ہو

عیاں ہے شانِ صدیقی تمہاری شانِ تقویٰ سے — کہوں اتقیٰ نہ کیونکر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو
جلال و ہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر — عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر — مخالف جس سے تھرائیں وہی شیرِ وغا تم ہو
تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمزِ قرآنی — یہ ورثہ پانے والے حضرتِ عثماں کا تم ہو

خلوصِ مرتضیٰ خلقِ حسن عزمِ حسینی ہیں — عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں — امامِ اہلِ سنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے — بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو
وفی اموالہم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا — نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے باسخا تم ہو

علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اُس کے شہا تم ہو

تحفۂ سلام

بر امام اہل سنت مجدد دین و ملت
اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی قدس سرہ

از جناب ڈاکٹر کیفی صاحب بکسری شاہ آبادی

سلام اُس پر کہ جس نے خدمت تجدید ملت کی
سلام اُس پر کہ جس نے خدمتِ تبلیغ سیرت کی

سلام اُس پر کہ جس نے راہ دکھلائی شریعت کی
سلام اُس پر کہ جس نے راہ بتلائی طریقت کی

سلام اُس پر کہ جس نے عزتِ شانِ نبوت کی
سلام اُس پر کہ جس نے حرمت جانِ رسالت کی

سلام اُس پر کہ جس نے رہبری کی اہلِ سنّت کی
سلام اُس پر کہ جس نے شرم رکھ لی دین و ملّت کی

سلام اُس پر کہ جس نے رمز قرآنی کو بتلایا
سلام اُس پر کہ جس نے معنیٔ مستور سمجھایا

سلام اُس پر کہ جس نے حل کئے عقدے مسائل کے
سلام اُس پر طریقے جس نے بتلائے دلائل کے

سلام اُس پر کہ جس نے رد کئے باطل عقائد کو
سلام اُس پر کہ کچلا جس نے ان حشو و زوائد کو

سلام اُس ذات پر جو واقف سرّ حقیقت تھی
سلام اُس ذات پر جو ہادیٔ راہِ طریقت تھی

سلام اُس ذات پر جو بزم آرائے شریعت تھی
سلام اُس ذات پر جو پاسبانِ دینِ فطرت تھی

سلام اُس ذات پر جو صاحبِ عشق نبوت تھی
سلام اُس ذات پر جو شارح حسن و محبّت تھی

سلام اُس ذات پر جو چشمۂ جانِ عقیدت تھی
سلام اُس ذات پر جو صاحب حسنِ بصیرت تھی

سلام اُس پر کہ جس کے رو برو خم یہ زمانہ ہے
اور اس کیفی کو بھی جس سے عقیدت والہانہ ہے

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی مجددیت

صحیح حدیث میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ تعالےٰ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو قایم کرے گا جو اس دن کو از سر نو نیا کردے گا رواہ ابوداؤد والحاکم فی المستدرک والبیہقی فی المعرفۃ ذکرہ الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر والمدخل وحسن ابن سفیان والزاہد فی مسانیدہم والطبرانی فی المعجم الاوسط وابن عدی فی الکامل وابونعیم فی الحلیہ علامہ حفنی حاشیہ سراج المنیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ حفاظ کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جن محدثین نے اس کی صحت کی تصریح فرمائی ان میں علامہ ابوالفضل عراقی علامہ ابن حجر متاخرین علماء میں سے اور حاکم مصنف صحیح مستدرک اور بیہقی صاحب مدخل متقدمین محدثین سے ہیں امام جلال الدین سیوطی مرقاۃ السعود حاشیہ ابوداؤد میں فرماتے ہیں اتفق الحفاظ علی تصحیحہ حفاظ محدثین کا اس حدیث کی تصحیح پر اتفاق ہے علامہ شیخ علی ابن احمد عزیزی سراج منیر شرح جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ اول کی قید احترازی نہیں بلکہ غالبی ہے اس لئے کہ اول صدی کے مجدد بالاتفاق خلیفہ راشد خامس الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا عمر ابن عبدالعزیز ہیں جن کی ولادت ۶۱ھ اور وفات ۱۰۱ھ میں ہے اور تجدید دین کے یہ معنی ہیں کہ اُن میں ایک صفت یا چند صفتیں ایسی پائی جائیں جن سے امت محمدیہ کو دینی فائدہ ہو جیسے تدریس وعظ امر بالمعروف نہی عن المنکر لوگوں سے مکروہات کا دفع اہل حق کی امداد۔ مجدد کے لئے خاص اہلبیت سے ہونے کی ضرورت نہیں، نہ مجتہد ہونا لازم لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ عالم فاضل علم و فنون کا جامع اشہر مشاہیر زمانہ بے لوث حامی دین بے خوف قامع مبتدعین ہو حق کہنے میں نہ خوف لومۃ لائم ہو نہ دین کی ترویج میں دنیوی منافع کی طمع متقی پرہیزگار شریعت و طریقت کے زیور سے آراستہ رذائل و خلاف شرع سے دل برداشتہ ہو لیکن حسب تصریح علامہ حفنی مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہو اُس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اُس کے اول میں وہ مشہور معروف مشار الیہ بالبنان ہو مجدد کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ علماء عصر قرائن احوال اور اُس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اُس کے مجدد ہونے کا اقرار کریں اس لئے مجدد کو علوم دینیہ ظاہرہ باطنہ کا عالم حامی السنۃ قامع البدعۃ ہونا چاہئے لیکن یہ ضرور نہیں کہ مجدد ہر صدی پر ایک ہی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک کے علاوہ کئی شخص الگ شعبوں کے مجدد ہوں کما قالہ المناوی رجلا کان او اکثر علامہ محمد طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں من یجدد لھا دینھا کے مصداق میں علماء نے اختلاف کیا تو ہر فرقہ نے اُس کو اپنے امام پر محمول کیا اور بہتر ہے کہ عموم پر محمول کیا جائے اور صرف فقہاء کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے اس لئے کہ امت کو اولی الامر یعنی خلفاء و محدثین قراء واعظین زہاد سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور راس کل مائۃ سنۃ سے مراد یہ ہے کہ صدی گزرے اور مجدد زندہ مشہور عالم ہو اور حدیث شریف میں اشارہ اکابر کی ایک جماعت کی طرف اشارہ ہے جو ہر سو برس کے سرے پر ہوئے ہیں تو مجدد مائۃ اولی حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور فقہاء و محدثین وغیرہم سے بے شمار ہیں اور مجدد مائۃ ثانیہ خلیفہ مامون رشید حضرت امام شافعی امام حسن بن زیاد و اشہب

مالکی علی بن موسیٰ یحییٰ ابن معین حضرت معروف کرخی اور مجدد مائۃ ثالثہ خلیفہ مقتدر باللہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی حنفی امام ابوالحسن اشعری امام نسائی اور مجدد مائۃ رابعہ خلیفہ قادر باللہ امام ابو حامد اسفرائنی ابو بکر محمد خوارزمی حنفی اور مجدد مائۃ خامسہ خلیفہ باللہ حضرت امام غزالی قاضی فخر الدین حنفی وغیرہم اھ شیخ الاسلام بدر الدین ابدال رسالہ مرضیہ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں فرماتے ہیں کہ مجدد معاصرین کے غلبۂ ظن سے پہچانا جاتا ہے اُس کے قرائن احوال اور اس کے علم کے انتفاع کے سبب سے اور نہیں ہوتا ہے مجدد مگر عالم علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا جو ناصر سنت اور قامع بدعت ہو پھر کبھی مجدد سارے جہاں میں فقط ایک ہی ہوتا ہے جیسے خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق ہیں اور دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہیں اس لئے کہ محققین کا اجماع ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں تمام علماء سے اعلم و افضل تھے اور کبھی مجدد دو یا جماعت ہوتی ہے اگر کسی ایک عالم پر اجماع نہ ہو سکا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ صدی کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو جو مجدد سے افضل ہو لیکن مجدد جب ہوگا تو راس المائۃ پر ہوگا کیونکہ عموماً ایسا ہی کہ صدی ختم ہوتے ہوتے علماء امت بھی ختم ہو جاتے ہیں دینی باتیں مٹنے لگتی ہیں بد مذہبی و بدعت ظاہر ہونے لگتی ہے اس وقت دین کے تجدید کی ضرورت پڑتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ایسے عالم کو ظاہر کرتا ہے جو اُن خرابیوں کو دور کرتا ہے اور علی الاعلان اُن برائیوں کو سب کے سامنے بیان کر کے دین کو از سر نو نیا کر دیتا ہے وہ سلف صالحین کا بہتر عوض خیر الخلف نعم البدل ہوتا ہے۔ اھ امام جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابو داؤد میں فرماتے ہیں علامہ ابن اثیر نے فرمایا کہ علماء نے حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مأتہ سنۃ من یجدد لھا دینھا کی تاویل میں ہر ایک نے اپنے زمانہ میں اختلاف کیا ہے اور اشارہ کیا اُس شخص کی طرف جو صدی کے سرے پر دین کی تجدید میں لگا ہو تو ہر ایک اپنے مذہب کے حامی و ناصر کی طرف مائل ہوئے اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک من یجدد لھا دینھا کا اقتضا نہیں ہے کہ صدی کے سرے پر مجدد فقط ایک ہی شخص ہو بلکہ کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زائد اس لئے کہ امت کا اصل انتفاع امور دین میں ہے لیکن اس کے سوا دوسری امور میں بھی انتفاع بہت ہوتا ہے۔ مثلاً اولو الامر اہل حدیث قراء وا عظین عابد زاہد لوگ اپنے فنون سے ایسا نفع امت کو پہنچاتے ہیں جو دوسرے سے ممکن نہیں اس لئے کہ اصل دین میں فقط قانون سیاست ہے اور اشاعت عدل و انصاف ہے جس کی وجہ سے ضبط روایات ہوتی ہے اور زہاد اپنے وعظوں سے امت کو نفع پہنچاتے ہیں اور لوگوں کو تقویٰ پر ابھارتے ہیں اور دنیا میں زہد کرنا سکھاتے ہیں تو بہتر اور ٹھیک یہ بات ہے کہ من یجدد سے اکابر مشہورین کی ایک جماعت کی ہر صدی پر حدوث و ظہور کی طرف اشارہ ہو جو لوگوں کے دین کی حفاظت کریں اور برائیوں و خرابیوں و بے دینیوں کو بتا کر دین کی تجدید کریں گے لیکن بایں ہمہ یہ ضرور ہے کہ مجدد وہی شخص ہوگا کہ صدی کے شروع میں عالم مشہور مشار الیہ ہو یعنی اُن فنون میں سے کسی فن میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں اور دوسری صدی کے شروع ہونے کے قبل بھی ضرور ایسے علماء ہوں گے جو دین کی خدمت میں منہمک ہوں گے لیکن مجدد سے مراد یہ ہے کہ جس وقت صدی ختم ہو اور دوسری صدی شروع ہو اس وقت وہ عالم مشہور زندہ اور مشار الیہ ہو اھ ماہ رجب ۱۲۹۹ھ میں سلہٹ سے مولوی ابو علی محمد عبد الوہاب صاحب نے جناب مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی مرحوم مغفور کے پاس اس حدیث شریف کے متعلق ایک استفتا بھیجا

تھا جس میں چند باتیں دریافت کی تھیں جو مجموعہ فتاوی جلد دوم ص ۱۵۱ / ۱۵۲ میں مع جواب مکتوب ہے اس جگہ مختصراً نقل کرنا خالی فائدہ سے نہیں حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ الخ میں راس آخری صدی مراد ہے یا راس آغاز صدی اور مجدد کے شرائط اور علامات کیا ہیں اور پہلی صدی سے اس وقت تک کون کون مجدد ہوئے ہیں اور مولوی اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے پیر سید احمد بریلوی مجدد ہو سکتے ہیں یا نہیں علامہ لکھنوی نے ان سوالات کے حسب ذیل جوابات دئے ہیں راس مائۃ سے مراد باتفاق محدثین آخر صدی ہے اور مجدد کے شرائط و علامات یہ ہیں کہ علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اُس کے درس و تدریس تالیف و تصنیف وعظ و تذکیر سے نفع شائع و ذائع ہو اور احیائے سنت اور اماتت بدعت میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کی آغاز میں اُس کے علم کی شہرت اور اُس سے انتفاع معروف و مشہور ہو لیں اگر آخری صدی نہیں پایا ہے اُس سے اُس زمانہ میں انتفاع احیائے شریعت حاصل نہ ہوا ہو تو وہ مجددین کی صفت سے خارج سمجھا جائے گا اور اس حدیث کا مورد و مصداق نہ ہوگا اور اس کا شمار مجددین میں نہ ہوگا (اس کے بعد عبارت شیخ الاسلام بدر الدین و مرقاۃ الصعود امام جلال الدین نقل کرکے فرماتے ہیں) ان عبارات سے واضح ہوا کہ سید احمد بریلوی کہ اُن کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں ہوئی اور اُن کے مرید اسمٰعیل دہلوی وغیرہ مصداق حدیث میں داخل نہیں ہیں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی ولادت ۱۱۹۳ھ میں ہوئی اور دونوں کا انتقال ۱۲۴۶ھ میں ہوا تو سید احمد صاحب نے کوئی آخری صدی نہ پایا اور مولوی اسمٰعیل آخری صدی میں فقط سات سال کے بچے تھے) اس لئے مجدد کے لئے ضرور ہے کہ آخر یک صدی اور دوسری صدی کے شروع میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہو کہ اس کا نفع عام ہو اور اس کا اشتہار تام اور اُن دونوں کی تیرھویں صدی کے وسط میں شہرت ہوئی اتنا زمانہ گزرا علماء نے تعیین مجددین میں اسی صفت کا لحاظ کیا ہے جس کی تفصیل علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے رسالہ مسمی بہ الفوائد الجمۃ فی من یبعثہ اللہ لھذہ الامۃ اور امام جلال الدین سیوطی کے رسالہ مسمی بہ متنبہ بمن یبعثہ اللہ علی راس المائۃ وغیرہ میں ہے ان رسائل کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مجدد مائۃ اولیٰ بالاتفاق خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے اور مجدد مائۃ ثانیہ اتفاقاً امام شافعی تھے اور مجدد مائۃ ثالثہ قاضی ابوالعباس ابن شریح شافعی امام ابوالحسن اشعری اور محمد بن جریر طبری تھے اور مجدد مائۃ رابعہ امام ابوبکر بن الباقلانی اور ابوالطیب صعلوکی وغیرہ تھے، اور مجدد مائۃ خامسہ امام محمد بن محمد غزالی تھے اور مجدد مائۃ سادسہ امام فخر الدین رازی تھے اور مجدد مائۃ سابعہ امام تقی الدین ابن دقیق العید تھے اور مجدد مائۃ ثامنہ زین الدین عراقی علامہ شمس الدین ابن جزری سراج الدین بلقینی تھے اور مجدد مائۃ تاسعہ امام جلال الدین سیوطی علامہ شمس الدین سخاوی تھے اور مجدد مائۃ عاشرہ شہاب الدین رملی ملا علی قاری تھے اور مجدد مائۃ حادی عشر امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ھ متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی متولد سنہ متوفی ۱۰۵۲ھ میر عبد الواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف تھے اور بارھویں صدی کے مجدد سلطان دین پرور مالک بحر و بر ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی متولد ۱۰۲۸ھ متوفی ۱۱۱۷ھ اور حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی متوفی ۱۱۴۲ھ اور حضرت شیخ غلام نقشبند لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ تھے اگرچہ بعض خوش اعتقادوں نے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو بارھویں صدی کا مجدد کہا ہے مگر تصریحات علمائے کرام سے ثابت کردہ مجددوں کے احاطہ سے خارج ہیں اس شمار میں داخل نہیں اس لئے کہ شاہ صاحب موصوف کی ولادت

۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی تو ان کے علم و فضل و بزرگی و کمال میں کلام نہیں مگر مجددی کی جو اصل صفت ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں اُس کے افاضہ و افادہ کا شہرہ ہو حمایت دین و نکایت مفسدین میں مشہور ہو اُن میں نہیں پائی جاتی کہ اُن کی شہرت علمی وسط صدی میں ہوئی نہ کسی صدی کا آخر پایا نہ کسی صدی کا آغاز شہرت تو چیزے دیگر است نیز مجدد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی زبان و قلم حق گو حق نویس ہو زبان سے وہی بولے جو شریعت کے مطابق ہو قلم سے وہی لکھے جو شریعت کا حکم ہو حق کہنے میں زبان اس کی سیف قاطع اور قلم تیغ براں ہو جو بولے شریعت کے دائرہ میں ہو جو لکھے شریعت کی حد میں ہو ایک عامی اُس کی تحریر یا تقریر لے۔ اُس کے عمل کے لئے کافی ہو ہر لفظ اُس کا جنچا تلا ہوا ہو جو کہے بے لوث کہے جو لکھے بے خوف لکھے حق کے کرنے یا کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرے ع گدائے میکدہ ہوں ہر طرح کی بے پیالی ہیں۔ کا مصداق نہ ہو۔ مولانا شاہ ولی صاحب میں قطع نظر اس کے کہ نہ کسی صدی کے آخر میں ہوئے نہ دوسری صدی کے اول میں رہے پھر اُن کی شہرت دو صدیوں میں اور اُن کے علوم و معارف سے انتفاع کجا۔ ہر قسم کی باتیں اُن کے یہاں موجود ہیں سنیوں کے بھی سردار ہیں ساتھ ساتھ وہابیت کے داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں حجۃ اللہ البالغہ عجیب و غریب کتاب لکھی اگر کچھ حصے سنیوں کے بکار آمد ہیں تو ایک حصہ وہابی لئے ہوئے انکرطار ہے ہیں مولوی ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے تراجم علماء حدیث انھیں کے نام نامی سے شروع کیا ہے اور اس میں اُن کو پورا اہل حدیث بلکہ بانی مذہب اہلحدیث یقین کیا کہ اہلحدیث کا باوا آدم انھیں کو قرار دیکر آگے شاخیں پھیلائی ہیں۔ ص۵ پر تفہیم کی یہ عبارت درج کی ہے فہمنی ربی انا جعلناک امام ھذہ الطریقۃ وسددنا طرق الوصول الی حقیقۃ القرب کلھا الیوم غیر طریقۃ واحدۃ وھو محبتک والانقیاد لک والسماء لیس من عاداک بسماء و لیست الارض علیہ بارض فاھل الشرق والغرب کلھم رعیتک وانت سلطانھم علموا ولم یعلموا فان علموا افازوا وان جھلوا اخابوا یعنی مجھے خداوند عالم نے سمجھایا کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنایا اور حقیقت قرب تک رسائی کے سب رستوں کو بند کر دیا سوائے ایک طریقہ کے وہ طریقہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے جو تیرا مخالف ہے اس کے لئے آسمان نہ آسمان ہے اور نہ زمین زمین ہے تمام روئے زمین کے لوگ پوربی ہوں یا پچھمی سب تیری رعایا ہیں اور تو اُن سب کا بادشاہ ہے چاہے وہ جانیں یا نہ جانیں اگر وہ جانیں گے کامیاب ہوں گے اگر نہ جانیں گے گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے پھر ص۱۶ پر مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کی سرخی قائم کرکے لکھا ہے۔

جناب حجۃ اللہ (شاہ ولی اللہ صاحب) اپنی مصنفات شروح احادیث مسوی و المصفی اور دوسری تصنیفات مثلاً عقد الجید الانصاف فی بیان سبب الاختلاف وغیرہ میں تقلید اور عمل بالحدیث کا موازنہ فرماتے ہوئے اتباع بالحدیث کو کھلے طور پر ترجیح دیتے ہیں لیکن اس بحث کو جس خوبی کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ میں پھیلایا نہایت پر لطف ہے کہ گویا تمام کتاب اسی بحث پر محتوی ہے، پھر ص۲۰ پر لکھا ذرا اور آگے بڑھ کر (ص ۱۲۲ پر) بضمن باب حکایۃ الناس قبل المائۃ الرابعۃ و بعدھا اس ذکر کو اور بھی وضاحت سے بیان فرمایا مگر ص ۱۳۵ پر زیادہ توضیح سے کام لیا اور بضمن ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں تو یہ راز بالکل فاش کر دیا فرماتے ہیں واقول الفرقۃ الناجیۃ ھم الاخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعا بما ظھر من الکتاب والسنۃ یعنی میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو عقیدہ و عمل دونوں میں کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین سے بظاہر النص فتویٰ جاری کرے اگرچہ صحابہ و تابعین نے ایسے مسائل میں جن کے لئے انھیں نص نہ ملی

ہو باہم اختلاف ہی کیوں نہ کیا ہو پھر صہ ۲۲ پر لکھا اسی کے ساتھ حدیث اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملئکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ نقل کرتے ہوئے باشارۃ النص آمین بالجہر کی تاکید فرماتے ہیں یہاں شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی مرحوم کا ماجرا قابل ذکر ہے حضرت زائر دہلی تشریف لائے جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں باواز بلند آمین کہہ ڈالی دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا عوام برداشت نہ کر سکے جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہوگا تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگ آپ کو حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا حدیث سے تو باواز آمین کہنا ثابت ہے۔ مجمع یہ سنکے چھٹ گیا اب صرف مولانا محمد فاخر صاحب اور حضرت شاہ صاحب بصورت قران السعدین باقی تھے شاہ محمد فاخر نے عرض کیا آپ کھلیں گے کب۔ فرمایا اگر کھل گیا ہوتا تو آپ کو آج کیسے بچا لیتا۔ اور رفع الیدین کے باب میں فرماتے ہیں کہ والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۸ یعنی مجھے تو رفع یدین کرنے والا نہ کرنے والے سے زیادہ عزیز ہے کہ اثبات رفع یدین کی حدیثیں ترک رفع یدین کی احادیث سے تعداد میں زیادہ اور رتبہ میں قوی ہیں" ترک تقلید پر مزید ارشاد عقد الجید ہی میں تقلید کی دو قسمیں واجب و حرام قرار دے کر فرماتے ہیں (۱) تقلید واجب وامارۃ ھذہ التقلید ان یکون عملہ بقول المجتھد کالمشروط لکونہ موافقا للسنۃ فلا یزال متفحصا عن السنۃ بقدر الامکان فمتی ظاھر الحدیث یخالف قولہ ھذا اخذ بالحدیث والیہ اشار الائمۃ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۸۴ یعنی تقلید واجب تو یہ ہے کہ اس کا عمل اگرچہ قول مجتہد کے موافق سہی مگر مشروط بہ سنت بھی ہو مگر صرف اس پر اکتفا نہ رہے بلکہ ہر آن سنت کی تلاش رکھے۔ پس جب بھی ایسے مقلد کو اپنے عمل سابق کے خلاف حدیث مل جائے تو وہ قول مجتہد کو چھوڑ کر اس حدیث کو اختیار کرے اسی طرف ائمہ کا اشارہ ہے ب تقلید حرام فان بلغہ حدیث واستیقن بصحۃ لا یقبلہ لکون ذمتہ مشغولۃ بالتقلید فھذا اعتقاد فاسد وقول کاسد لیس لہ شاھد من النقل والعقل وما کان احد من القرون السابقۃ یفعل ذلک حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۸۵ یعنی پس اگر مقلد کو ایسی حدیث مل جائے کہ اس کی صحت بھی اس مقلد کے نزدیک یقینی ہو مگر اس پر بھی وہ (مقلد) اس حدیث کو قبول نہ کرے اس وجہ سے کہ جس تقلید کو اس نے خود ہی اختیار کر رکھا ہے وہ اس حدیث کے خلاف ہے تو ایسا عقیدہ فاسد اور ایسا قول مردود ہے کیونکہ نہ نقل و عقل سے اس کا ثبوت ملتا ہے نہ قرون سابق نے ایسا کیا پھر صـ۲۷ پر لکھا نیز عقد الجید میں فرماتے ہیں فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعتہ بسند صالح یدل علی خلاف مذھبہ وترکنا حدیثہ واتبعنا ذلک التخمین فمن اظلم منا وماعذرنا یوم یقوم الناس لرب العٰلمین عقد الجید صـ۴۰ یعنی پھر جب ہمیں رسول معصوم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے سند صحیح کے ساتھ مل جائے مگر ہم اسے امام کے شعار کے خلاف ہونے کی وجہ سے چھوڑ بیٹھیں تو پھر بتائیے کہ (رسول معصوم کی) حدیث ترک کرنے کی صورت میں ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا اور اس ظلم کا جواب ہم قیامت کے دن رب العلمین کو کیا دیں گے، اسی عنوان (تقلید) کو تفہیمات الٰہیہ میں یوں رقم فرمایا اصول الشرع اثنان آیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ لا یزید علیھما وبالجملۃ فالرای فی الدین تحریف وفی القضاء حسنۃ ترجمہ شریعت (اسلام) کے اصول دو ہیں (۱) آیات محکمہ (۲) سنت۔ ان دونوں کے سوا کوئی اور شئی دین میں مسلم نہیں ان غیر مسلمہ امور میں رائے (قیاس) دین میں تحریف ہے اور قضا میں مستحسن پھر اخیر

ص۴۸ پر لکھا اور یہی ترک تقلید و اتباع سنت کی تاکید آپ کے وصایا سے مستفاد ہے .... ودر فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودائماً تفریعات فقیہہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن انچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند زدن" المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیہ پھر لکھا جناب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ان خوابوں کو کہاں تک نقل کیا جائے آپ کی تمام تصنیفات مہمہ ایک ایک ورق ان سے مزین ہے بس اہل علم واصحاب دانش کے لئے یہی کافی ہے مزید طمانیت کے لئے دو حوالے اور نقل کئے جاتے ہیں۔ "وخود را مقلد محض بودن ہرگز ہراست نمی آید وکارے نمی کشاید اکثر مفاسد در عالم ازہمیں جہت ناشی شدہ ازالۃ الخفا ص۲۵۷ اس سے زیادہ اور تبرا عن التقلید کیا ہو سکتا ہے جبکہ سرمایہ علم ایشاں شرح وقایہ وہدایہ باشد کجا ادراک سرایں تواند کرد" ازالۃ الخفا ص۸۴ قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص کسی عقیدہ اور خیال میں ایسا پختہ ہو کہ ایک ہاتھ میں شمس کے آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب کو آسمان سے اُتار کر دیدیں جب بھی وہ اپنے عقیدے سے باز نہ رہے ایسا پختہ شخص اُس عقیدہ کو تبلیغ کر سکتا ہے اور لوگوں پر اس کا اثر بھی ہوگا کہ انچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ لیکن جو شخص با وجود دعویٰ حنفیت اتنا ضعیف العقیدہ ہو جس کے نمونے اُن کی مصنفات سے بحوالہ صفحہ گزرے وہ دوسرے کو کیا تبلیغ کرے گا اور اگر بالفرض کہے سنے بھی تو اس کا اثر سامعین پر کیا پڑے گا اس لئے میری بے لوث رائے میں ایسے شخص کو مجددوں میں شمار کرنا سوائے خوش اعتقادی کے اور کچھ نہیں ہے ع پیر من خس است اعتقاد من بس است۔ کا کوئی جواب نہیں البتہ مجدد ماتہ ثالث عشر [۱۳] اُن کے فرزند دلبند وشاگرد رشید ومرید مستفید وخلیفہ وجانشین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب متولد ۱۱۵۹ھ متوفی ۱۲۳۹ھ ہیں اس لئے کہ مجدد کے صفات کہ بارہویں صدی کے آخر میں صاحب علم وفضل زہد وتقویٰ مشہور دیار و اطراف تھے اور تیرہویں صدی کے آغاز میں اُن کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت درس وتدریس افتا وتصنیف وعظ وپند وحمایت دین ونکایت مفسدین میں اوقات صرف فرماتے رہے جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء اگر حمایت دینی کے جملہ کاموں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو شیعوں کے رد میں ایک کتاب اُن کی تحفہ اثنا عشریہ ہی کافی ہے کہ روز تصنیف سے اس وقت تک کوئی کتاب اُس شان کی نہ لکھی گئی اور اسی طرح یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے رنگ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس کے قبل بھی کوئی کتاب اس جامعیت کی نہ لکھی گئی مجھ سے ایک سفر میں جونپور کے ایک شیعہ عالم نے فخریہ بیان کیا کہ تحفہ اثنا عشریہ کا رد فلاں شیعہ عالم صاحب نے دس جلدوں میں لکھا اُن کا انتقال ہو گیا تو اُن کے صاحبزادہ فلاں صاحب قبلہ نے بارہ جلدوں میں رد لکھا اُن کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادہ فلاں صاحب پانچ جلد لکھ چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ کتنوں جلدوں تک جاری رہے گا اُس کو نہیں کہہ سکتا۔ اُن مولوی صاحب کی غرض دھونس جمانا اور اپنے علماء کی تعریف کرنی اور تحفہ اثنا عشریہ کی بے قدری تھی کہ اس کے پرخچے اڑا دئے گئے ہیں اور اُڑائے جا رہے ہیں مگر میرے ایک ہی جملہ نے انھیں بالکل مبہوت کر دیا میں نے کہا کہ تحفہ اثنا عشریہ کی قدر در حقیقت علمائے شیعہ ہی نے کیا تین پشت اس کے رد کرنے میں مشغول رہی مگر ابھی تک اس کا رد نہ ہو سکا جب تو ابھی اور جلدوں کی ضرورت ہے اسی طرح زبانی اجلہ ثقات سے میں نے سنا حضرت مولانا مولوی شاہ محمد فاخر صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی اور سارے جہان کو مشرک کافر بنانا شروع کیا اُس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور

ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں آنکھوں سے بھی معذور ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدہ فاسدہ کا رد بھی تحفہ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے۔ یہ دلیل اُن کی مجدد مائۃ ثالث عشر ہونے کی بڑی ہے کہ حمایت دین میں عزیز و قرب کسی کا بھی پاس نہ کیا جائے پھر جو شخص حضرت شاہ صاحب کی سوانح عمری دیکھے گا جانے گا کہ وہ بیشک تیرہویں صدی کے مجدد تھے پندرہ سال کی عمر میں کتب درسیہ عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر کامل پینسٹھ سال حمایت دین و نکایت مفسدین میں صرف فرمایا اور اسّی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ درس و تدریس میں معقولات کے علاوہ فقہ و متعلقات فقہ کا تو التزام تھا مگر خاص چیز درس حدیث اور فتوی نویسی تھی جس کی شہرت ہندوستان سے باہر روم شام مکہ معظمہ مدینہ طیبہ بیت المقدس وغیرہ تک پہنچی ہوئی ہے قسطنطنیہ سے ملا رشیدی مدنی نے آپ کو ایک خط لکھا تھا جس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں " شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علما اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ میں آپ کی مہر تلاش کرتا ہے اور وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لئے بڑی فخر کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بڑی عزت کریں۔"

حیات طیبہ میں اسی طرح آپ کی درس تدریس کا شہرہ ہندوستان سے باہر تک پھیلا ہوا تھا آپ کی درسی خوبیاں آپ کے نامور شاگردوں کے نام ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ بطور نمونہ یکے از ہزارے یہ ہیں مولانا شاہ رفیع الدین آپ کے برادر خورد شاہ محمد اسحاق و شاہ محمد یعقوب حضرت کے نواسے مفتی صدر الدین خانصاحب دہلوی حضرت شاہ غلام علیصاحب دہلوی مولانا شاہ مخصوص اللہ صاحب آپ کے برادر زادے حضرت مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی حضرت مولانا حسن علی صاحب لکھنوی حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب بدایونی کانپوری مصنف رسالہ اشباع الکلام فی المولد والقیام استاد شمس العلما مولانا محمد سعید صاحب حسرت عظیم آبادی حضرت مولانا عادل صاحب کانپوری حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی بیہقیٔ وقت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حضرت ملحق الاصاغر بالاکابر وارث العلم والفضل والمجد کابراعن کابر مولانا شاہ آل رسول صاحب احمدی مارہری پیر و مرشد اعلیحضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ ابو سعید صاحب نبیرہ خواجہ معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی حضرت مولانا شاہ ظہور الحق صاحب قادری پھلواروی بانی خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی مولانا شاہ عبد الغنی ابو العلائی منعمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین درس و تدریس کے علاوہ وعظ و پند کا سلسلہ بھی زوروں پر تھا ہر جمعہ و سہ شنبہ کو پرانے مدرسہ کوچہ جیلان میں بیان فرماتے وعظ میں عام اجازت تھی کہ اثنائے تقریر میں اگر کسی کو شک و شبہ رہے تو بعد ختم وعظ دریافت کر کے تشفی کر لے۔ معترضین تل کر آتے اور منھ کی کھا کر واپس جاتے وعظ و تذکیر کا شغف اس درجہ تھا کہ اخیر وقت میں بھی نہ چھوٹا مرض الموت میں مبتلا ہیں خود سے اُٹھ کر بیٹھنے کی طاقت نہیں اُس وقت فرمایا کہ مجھے اُٹھا کر بیٹھا دو اور دو آدمی میرے مونڈھے پکڑے رہو لیکن جب بیان کرنا شروع کر دوں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علحدہ ہو جائیں چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور آپ نہایت اطمینان سے وعظ فرماتے رہے گو لب و لہجہ سے ناتوانی و کمزوری کے آثار نمایاں تھے لیکن استقلال ویسا ہی رنگ جمائے ہوئے تھا وعظ ختم ہوتے کے بعد آپ نے خدائے ذو الجلال کے دربار میں ہاتھ اُٹھائے اور اپنے اور تمام مسلمانوں کے لئے خشوع و خضوع کے ساتھ

دعا کی اس کے بعد آپ نے معرفت الٰہی میں عربی و فارسی کے چند اشعار ایسے دردناک لہجے میں پڑھے کہ سننے والوں کے جسم میں بھی سنسنی پیدا ہوگئی اور بدن پر رونگٹے رونگٹے کھڑے ہو گئے حیات ولی صہ ۲۲۳ پر بروز یکشنبہ بتاریخ ۷ سوال ۱۲۳۹ھ وفات پائی اور قبرستان مہندیاں عقب جیل خانہ (جو اب مویوں کا قبرستاں کہلاتا ہے) اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے اور چودہویں صدی کے مجدد مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ صاحب تصانیف قاہرہ وتالیف باہرہ جناب مستطاب معلی القاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری محمد احمد رضا خانصاحب قادری برکاتی بریلوی متعنا اللہ ببرکاتہ وحشر نا یوم القیمۃ تحت رایاتہ ہیں اس لئے کہ حضور پر نور کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ اور انتقال پُر ملال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ہے تو تیرہویں صدی کا آپ نے ۲۸ سال دو مہینہ ۲۰ دن پایا اور علوم و فنون و درس و تدریس تالیف و تصنیف وعظ و تقریر میں مشہور دیار و امصار ادانی و اقاصی ہوئے اور چودہویں صدی کا ۳۹ سال ایک مہینہ ۲۵ دن پایا جس میں حمایت دین و نکات مفسدین احقاق حق ازہاق باطل اعانت سنت و اماتت بدعت میں جان و مال علم و فضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع و مذہب کی نصرت اور خلاف دین متین کا رد و طرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پرواہ کی نہ کسی بڑے سے بڑے شخصیت کا خیال آڑے آیا نہ کبھی شہرت و مدح کی پرواہ کی نہ کسی کے طعن و قدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی یہ رباعی بالکل حسب حال فرمایا ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن		نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو ے		جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

خداداد ذہن و حافظہ بھی ایسا ملا تھا کہ تیرہ سال ۱۰ مہینے کی عمر میں تمام مروجہ درسی کتابوں سے فراغت حاصل فرمائی میرے سامنے اس وقت مشاہیر و اکابر علما کی سوانح عمریاں ہیں مگر اس وصف میں کوئی بھی آپ کا شریک و سہیم نہیں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ذکی ہوتے ہیں اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی ہوا تو وہ شوقین و محنتی نہیں ہوتے پڑھنے میں جی نہیں لگاتے بلکہ جان چراتے ہیں لیکن یہاں سب خوبیاں بطور خرق عادت جمع تھیں یہ محض عطیہ الٰہی و موہبت رسالت پناہی ہے۔ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عموماً علمائے کرام فارغ التحصیل ہونے کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اعلیٰحضرت نے طالبعلمی ہی کے زمانہ میں تصنیف فرمانا شروع کر دیا تھا جس کا مفصل بیان تصنیفات کے ذکر میں ہے جس دن فارغ التحصیل ہوئے اُسی دن سے فتویٰ دینا شروع کر دیا پہلا فتویٰ جو لکھا ایسا صحیح اور درست مکمل و مدلل کہ والد ماجد صاحب عش عش کر گئے اور یہ سلسلہ یوم وصال تک جاری رہا افسوس کہ بہتیرے فتاویٰ کی نقل نہ لی جا سکی پھر بھی جو نقل ہو سکا بڑی تقطیع ۲۰×۲۶ پر بارہ جلدوں میں ہے جس کی ہر جلد نو سو اور ہزار صفحہ کے درمیان ہے رسائل و مستقل تصنیفات چھ سو سے بالا ہیں جو پچاس فنون پر مشتمل ہیں آج ہمارے سامنے علماء متقدمین و متاخرین کی فتاویٰ موجود ہیں مگر اس وصف میں بھی اعلیٰحضرت اپنی آپ نظیر ہیں اتنا مفصل و مدلل اور صحیح فتاوی کسی کا دیکھنے میں کیا سننے میں بھی نہ آیا تصنیفات بھی اس قدر کثیر و عزیز امام جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ عاشرہ کے بعد کسی کی دیکھی نہ سنی گئیں اگلے علما محرر المذہب امام محمد شمس الائمہ سرخسی صاحب مبسوط علامہ بیہقی علامہ ذہبی علامہ ابن حجر عسقلانی امام بدرالدین محمود عینی صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری

وغیرہم قدست اسرارہم کو نہیں کہہ سکتا ورنہ دیگر علما کی تصنیفات کو اعلیٰحضرت کی تصانیف کثیرہ سے کوئی نسبت نہیں درس و تدریس بھی کسی مدرسہ میں مدرس ہوکر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کر کے نہیں کیا لیکن ایک زمانہ تک مرجع طلبا رہے دور دور سے طلبہ آکر استفادہ فرماتے سہارنپور و دیوبند کا مدرسہ اپنی طولانی عمر و قدامت کی وجہ سے بہت مشہور تھا لیکن وہاں کے چند طلبہ بھی دیوبند و گنگوہ چھوڑ کر درس حدیث و فقہ کے لئے بریلی شریف اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہاں کے طلبہ کو خود تعجب ہوا اور اُن لوگوں نے آنے والے طلبہ سے پوچھا کہ طلبہ کو تمہ خیرا کا مرض ہوتا ہے ایک جگہ پڑھ رہے ہیں وہاں سے پڑھنا چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیئے وہاں سے تیسری جگہ لیکن یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی تعریف وہاں ہوتی ہو آپ لوگ دیوبند اور گنگوہ سے بریلی کس طرح پہنچے اس لئے وہابی مدرسوں میں اس کی توقع ہی نہیں کہ کسی اہلسنت عالم کی تعریف کریں اور وہ بھی اعلیٰحضرت جیسے رد وہابیہ کی ان لوگوں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ وہاں مولانا کی مدح و ثنا نہیں ہوتی مگر ایک بات کہنے پر وہ مجبور ہوتے تھے اگر کوئی تذکرہ نکلا تو اخیر میں ٹیپ کا بند یہ ہوتا تھا کہ قلم کا بادشاہ ہے جس مسئلہ پر قلم اُٹھا دیا پھر نہ کسی موافق کو اضافہ کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مخالف کو انکار کی گنجائش یہی صفت کشش کا باعث ہوئی جو دیوبند و گنگوہ کو چھوڑ کر بریلی پہنچے تو ۱۲۸۶ھ سے ۱۳۳۹ھ تک چوّن سال کے عرصہ میں کتنے سو نہیں کتنے ہزار طلبہ آپ کے علوم کی روشنی سے فیضیاب ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ اُن کا کوئی رجسٹر تو تھا نہیں جس میں سب کا نام داخلہ کے وقت لکھ لیا جاتا ہو اور اگر تصنیفات کے ذریعہ آپ کے علوم و فیوض سے مستفیض ہونے والوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ اُن کا شمار ہزارہا ہزار سے بالا ہوکر لکھو کھا تک پہنچا ہے ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ وعظ و پند کا طریقہ ابتدا میں تو بہت زوروں پر رہا شہر میں کوئی محلہ بلکہ سنیوں کا کوئی مکان ایسا نہ ہوگا جو حضور کے پند و نصائح سے محروم رہا ہو اگرچہ اخیر زمانہ میں جبکہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کثیر کرنی پڑی اس سلسلہ میں کمی ہوگئی۔ ہر سال چار جلسے وعظ کے مستقل طریقہ پر سال وصال تک قائم رہے دو جلسے میلاد شریف کے اپنے مکان پر ۱۲ ربیع الاول شریف کو روز شب میں یہ جلسہ اتنا بڑا اور اس قدر مرجع الخلائق تھا کہ اسی جلسہ کی شرکت اور اعلیٰحضرت کے وعظ سے بہرہ یاب فیضیاب ہونے کے لئے پورا شہر ٹوٹ پڑتا تھا اور اس تاریخ میں کوئی مجلس میلاد شہر میں نہیں ہوتی تھی تیسرا جلسہ وعظ ماہ شعبان میں طلبہ مدرسہ منظر اسلام کے دستار بندی کے موقع پر اور چوتھا جلسہ وعظ اپنے پیر و مرشد سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ العزیز کے عرس کے موقع پر ۱۸ ماہ ذی الحجۃ الحرام کو ان دونوں وعظوں سے نہ صرف اہل شہر ہی بہرہ یاب ہوتے بلکہ اطراف و اکناف ہند سے رؤسا و علماء و شائقین جلسہ دستار بندی و عرس کی شرکت کے لئے آتے اور وعظ سے فیضیاب ہوتے۔ اب آیئے حمایت دین و نکایت مفسدین معاندین دین متین کو دیکھئے تو آپ کا مولد و مسکن وہ صوبہ اور شہر ہے جہاں ہنود کی اکثریت ہے مسلمان فقط تیرہ فیصدی ہیں مکان بھی ایسے محلہ میں ہے جس محلہ کو دار الکفر کہنا کسی طرح مبالغہ آمیز نہیں محلہ سوداگران بجز آپ کے اور آپ کے عزیزوں کے چند مکانوں کے اور ایک سید مصاحب علی صاحب اور ایک میاں منیر بہشتی کے مکان کے پورا محلہ ہنود و برہمنوں کا ہے اس لئے آپ نے ہنود کے رد میں تصنیف فرمایا جس کا نمونہ دیکھنا ہو تو انفس الفکر فی قربان البقر ملاحظہ کریں۔ ہنود میں تعلیم یافتہ ایک جماعت ہے جس نے دیکھا کہ ہنود برابر مسلمان ہو رہے ہیں یا عیسائیت کے چنگل

پھنسنے میں ان کی تعداد روز بروز گھٹتی جاتی ہے سناتن دھرم تبلیغی جماعت نہیں کہ کچھ جائیں تو کچھ باہر سے آئیں اس طرح داخل خارج برابر رہا کرے بلکہ خارج ہوتے جاتے ہیں داخلہ ممکن نہیں اس لئے پنڈت دیانند سرستی نے آریہ سماج کے نام سے ایک مذہب جاری کیا اور اس میں دوسرے مذہب والوں کو داخل کرنے لگے۔ اعلیٰحضرت نے اس کا بھی رد فرمایا نمونہ کیفر کردار آریہ ملاحظہ ہو آپ[۳] کے زمانہ سے پہلے ہی اسلامی سلطنت ہندوستان سے رخصت ہو چکی تھی۔ نصاریٰ کی حکومت اور عملداری تھی نصاریٰ اگرچہ اعتقاداً و عملاً نرے بے دین تھے پھر بھی رومن کیتھولک مذہب کے نام لیوا ہیں اور اس کی اشاعت و ترویج میں طرح طرح کی کوششیں کرتے لاکھوں روپے تبلیغ میں صرف کرکے لوگوں کو نصرانی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس۔ لئے اعلیٰحضرت نے ان کے رد میں تین کتابیں تصنیف فرمائیں یہ تین فرقے غیر مسلم ہیں جو نہ مسلمان ہیں نہ اپنے کو مسلمان کہلانا چاہتے ہیں اب آیئے گھر کے فتنوں کو دیکھئے کتنے فرقے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے اسلامی باتوں کی قطع و برید میں لگے ہوئے ہیں ؎

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے — کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرہ تیرا
حق سے بد بن کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے — ارے میں خوب سمجھتا ہوں معمہ تیرا

ان میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور زمانہ کے مطابق چلنے اور سلطنت برطانیہ کی ہمنوائی کی وجہ دنیوی حیثیت میں بڑھے چڑھے اور اسی وجہ مرجع العوام نیچری[۴] حضرات تھے اعلیٰحضرت نے ان کے رد میں سات کتابیں تصنیف فرمائیں جب[۵] شمس مثل کا فتنہ وہابیہ نے اٹھایا اور ہر طبقہ زمین میں آدم نوح ابراہیم و اسمٰعیل و محمد ان انبیاء کرام اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل مانا اور اس پر زور دیا تو اعلیٰحضرت اُن کے رد میں رسالہ مبارکہ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال اور جواب ہائے ترکی بہ ترکی ۱۲۹۲ھ میں تصنیف فرما کر شائع کیا جس کی وجہ سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے راہی ملک عدم ہو گیا جب[۶] مرزا غلام احمد قادیانی پہلے اپنے کو مثل مہدی پھر امام مہدی پھر مثل مسیح پھر مسیح پھر بہتر از مسیح ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو — اس سے بہتر غلام احمد ہے

پھر دعویٰ نبوت کا کیا انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی توہین و تنقیص کی اعلیٰحضرت نے اس کے رد میں چھ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ایک ماہوار رسالہ بنام قہر الدیان علی مرتد بقادیان جاری کیا جب[۷] مولوی اسمٰعیل دہلوی کے اذناب و ذریات باوجود اشتراک فی الوہابیت ہر ایک نے ایک نئی نئی اپج نکالی کسی[۸] نے ختم نبوت کا انکار کیا کسی[۹] نے وقوع کذب باری تعالیٰ کو درست بتایا کسی نے مولود شریف سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنہیا کا جنم کہا کسی[۱۰] نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سا علم ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے مانا کسی[۱۱] نے تقلید ائمہ کو شرک و کفر ٹھہرایا وغیرہ وغیرہ اعلیٰحضرت نے وہابیہ و غیر مقلدین کے رد میں سو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں جب[۱۲] تفضیلیوں نے شور و غل مچایا اور جمع ہو کر مناظرہ کے لئے بریلی شریف آئے اور مناظرہ چھوڑ دریافت کرنے پر کہ آپ لوگ سوالات کریں گے یا میں سوال کروں اعلیٰحضرت ہی کو ابتداءً سوال کرنے کے لئے کہا پہلے ہی قسط سوالات کے دیکھتے ہی بدحواس و پریشان بریلی سے بھاگ کھڑے آبرو بچائی جس کا مفصل حال فتح خیبر تزک مرتضوی میں چھپ چکا ہے الغرض ان کے رد میں بھی سات کتابیں تصنیف فرمائیں اسی[۱۳] طرح جب روافض و نواصب کے فتنوں نے سر اٹھایا اعلیٰحضرت نے وہیں سرکوبی فرمائی اور اس کے رد میں بھی کتابیں تصنیف فرمائیں جب ۱۳۱۱ھ ندوہ کا فتنہ کھڑا ہوا جس نے سنیوں کے ساتھ تمام بد مذہبوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا اس وقت بھی اعلیٰحضرت حمایت دین کے لے کھڑے ہو گئے خداوند عالم جزائے خیر دے حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب قادری معینی عثمانی بدایونی قدس سرہ اور حامی سنن ندوی شکن جناب غلام صدیق قاضی عبد الوحید صاحب رئیس پٹنہ لو دیکرہ مرحوم مغفور کو کہ اول الذکر نے اپنے علم و اثر اور موخر الذکر نے اپنے

مال و دولت سے اعلیحضرت کا ہاتھ بٹایا جس سے یہ فتنہ سنہ ۱۳۳۲ھ میں مدراس جاکر ختم ہوگیا۔

ندویاں کہتے ہیں کہ وہی تو ہیں　　اسد احمد رضا محب رسول

اسی[۱۵] طرح مفسقہ متصوفہ[۱۶] باطلہ جس بدمذہب نے سر اُٹھایا وہیں اعلیحضرت نے اپنی تصنیفات سے اس کا سر کچل کر رکھدیا اُس کے رد میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ مطبع اہلسنت وجماعت محلہ سوداگران بریلی میں چھپوا کر ہندوستان بھر کے اکابر مشائخ وعلما ورؤسا کے پاس ٹکٹ چسپاں کرکے روانہ کردیا جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء اخیر زمانہ یعنی سنہ ۳۸، ۱۳۳۹ھ کہ فتنہ[۱۷] علی برادران اُٹھا اور نہایت زور شور سے اُٹھا جس نے سب بدمذہبوں منافقوں مرتدوں کھلے بند کافروں سب کو اپنے اندر سمالیا۔ ع وکل الصید فی جوف الفراء؛ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند دنیادار دنیا طلب دنیا طلبی اور ہندوستان کے بادشاہ بننے کی طمع میں اُٹھے لیکن عام مسلمانوں کا رجحان اس طرف نہ دیکھ کر اس میں مذہبی رنگ خلافت کا بھرا اب عام مسلمان اُس کی طرف جھکے یہاں تک کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس دھوکے میں آکر اس کے شکار ہوئے بعض بعض علما بھی مبتلا ہو گئے اس وقت حق پر قائم رہنے والی فقط ایک ذات مجدد مائۃ حاضرہ کی تھی جو ایک آن کے لئے بھی اس دھوکے میں نہ آئی پھر دیوبندیوں میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی بھی اپنی جماعت سے علیحدہ ہوکر اعلیحضرت کے ہم خیال ہوئے مولوی اشرف علی صاحب نے ایک فتویٰ لکھ کر خود اسی زمانہ میں اخبار وطن لاہور میں چھپوا کر ہم نوائی کی لیکن اعلیحضرت امام اہلسنت نے اشتہارات پر اشتہارات اُن کی رد وطرد میں لکھا اور اُن کے خلاف شرع باتوں کو منظر عام پر لاکر مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا یہاں تک کہ اخیر میں رسالہ مبارکہ المحجۃ الموتمنہ فی الآیۃ الممتحنہ لکھ کر شائع کرکے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا اور آفتاب نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح حق کو واضح کردیا یہاں تک کہ حضرت مولٰنا عبدالباری صاحب لکھنوی نے ایک غیر مسلم کو اپنا امام وپیشوا بنا لیا تھا جس کے بارے میں صاف لکھا کہ اُن کو اپنا رہنما بنا لیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال سردست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت　　رفتی ونثار بت پرستے کردی

الحمدللہ کہ اُنھوں نے توبہ کیا اور اپنے اقوال سے رجوع کیا جس سے اُن لوگوں کی قوت وشوکت علمی بالکل جاتی رہی البتہ دنیا کے لالچ میں بہت سے مسلمان اُس سے لپٹے رہے مگر حق واضح ہوکر رہا یہ سب اعلیحضرت امام اہلسنت کی مجدد مائۃ حاضرہ ہونے کا بین ثبوت ہے جنھوں نے پوری عمر بلکہ تن من دھن مال دولت سب حمایت دین متین میں صرف کردیا اگرچہ بعض مخالفین اصل حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ مولٰنا احمد رضا خاں صاحب عمر بھر سب کا رد کرتے رہے جس سے اُن کی مقبولیت کو بڑا صدمہ پہنچا ورنہ وہ جس قابلیت اور جامعیت کے عالم تھے سارا زمانہ اُن کی قدمبوسی کرتا اور پیشوا مانتا یہ اسی خیال کے لگ بھگ ہے جو مشرکین عرب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں کہتے تھے کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں تو ہم سب لوگ اپنا سردار آپ کو ماننے کو تیار ہیں اور ہر ایک شخص اپنی دولت سے ایک حصہ آپ کی نذر کردیگا جس کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار آپ ہو جائیں گے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی طرف اصلا التفات نہ فرمایا بلکہ اُن کو ٹھکرادیا اللہ تعالیٰ نے مجدد مائۃ حاضرہ کو حمایت دین ونکایت مفسدین کے لئے بنایا تھا نہ اس لئے کہ اس سے ذاتی فائدہ اُٹھائیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں اس قدر تحریر وتقریر رسائل واشتہارات کا فائدہ کیا ہوا یہ جان بوجھ کر ٹھیک نصف النہار کے وقت آفتاب عالمتاب کا انکار کرنا ہے حدیث شریف میں ہے لان یھدی اللہ بک رجلا خیر مما طلعت علیہ الشمس البتہ اللہ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت کرے روئے زمین کی حکومت سے بہتر ہے اور یہاں تو ہزاروں کیا لاکھوں اشخاص نے ان کی تقریرات وتحریرات سے فائدہ اُٹھایا یا گمراہ

دیندار ہوئے مذہب مستقیم ہوئے سنی صحیح العقیدہ راسخ الاعتقاد ہوئے کہ بد مذہب کا جھونکا کیا آندھی بھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی وہ ہشت دھات کی طرح اپنے عقیدوں پر پختہ اور ثابت قدم ہیں نماز کی پنجوقتہ دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین بالکل مقبول ہوئی ہر شخص جادہ مستقیم پر قائم اور ہر قسم کی بد مذہبی اور بد مذہبوں سے علٰحدہ ہے اور دعا قنوت میں روزانہ خداوند عزوجل کے سامنے جو کہتے ہیں ونخلع ونترک من یفجرک اس میں پورے اُترے والحمد للہ علیٰ ذٰلک انبیاء کرام جو خاص تبلیغ اور ارشاد خلائق کے لئے مبعوث ہی ہوتے جن کو ارشاد ہوتا ہے بلغ ما انزل الیک اُن کے متعلق بھی یہ کام نہیں کیا گیا ہے کہ جو احکام الٰہی آپ اُن تک پہنچائیں اُن کو اُن کا مصدِق بنا دیں عامل کر دیں بلکہ صاف فرما دیا گیا انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین سورہ مائدہ وما علی الرسول الا البلاغ المبین ۵ سورہ نور وعنکبوت ونحل خود انھوں نے بھی کھول کر فرما دیا وما علینا الا البلاغ المبین سورہ یٰسین آخر نہیں دیکھتے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی اتنی طویل مدت تبلیغ فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما ساڑھے نو برس کی تبلیغ وہدایت کا نتیجہ خود فرماتے ہیں رب انی دعوت قومی لیلاً و نہارا ہ فلم یزدھم دعائی الا فرارا ہ میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن حق کی طرف بلایا لیکن میری اس دعوت سے اُن کا فرار اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ تنگ آکر بارگاہ الٰہی میں التجا کرنی پڑی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ہ خداوندا روئے زمین پر کسی کافر کا ایک گھر بھی باقی نہ چھوڑ چنانچہ دعا قبول ہوئی آسمان سے پانی برسا زمین سے پانی اُبلا کشتی پر جو گنتی کے چند نفوس مسلمان تھے اُن کے سوا کوئی بھی نہ بچا اعوذ باللہ من غضب اللہ ورسولہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ جب اُنھیں اور اُن کے بھائی سیدنا ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا اذھبا الیٰ فرعون انہ طغی تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس کو ہدایت کرو کہ اُس نے سرکشی کی یہ دونوں حکم الٰہی کی تعمیل میں چلے تو وحی ہوئی مگر اے موسیٰ وہ ایمان نہ لائے گا انھوں نے عرض کیا کہ خداوندا پھر ہمارے جانے اور حیران ہونے کا کیا فائدہ ارشاد ہوا تمھیں تبلیغ کا اجر ملے اور اس پر حجت الٰہی قائم ہو قیامت کے دن یہ تو نہ کہہ سکے ماجاء نا من بشیر ولا نذیر ہمارے پاس کوئی مبلغ خوشخبری دینے والا ڈرسنانے والا نہ آیا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ان الذین کفروا سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون بیشک جن کے قسمت میں کفر ہے ان پر برابر ہے کہ انھیں آپ ڈرسنائیے یا نہ ڈرسنائیے وہ ایمان لائیں گے نہیں اس جگہ بھی سواء علیھم فرمایا یعنی ڈرسنانا اور نہ سنانا اُن کے لئے برابر ہے یہ نہیں فرمایا سواء علیک ءانذرتھم ام لم تنذرھم یعنی ڈرسنانا اور نہ ڈرسنانا تمہارے لئے برابر ہے اس لئے کہ حضور کو تبلیغ کا تو ثواب بہرحال ملے گا وہ بدبخت مانیں یا نہ مانیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا کا ذمہ ہلکا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط المستقیم بیشک آپ ایصال الی المطلوب نہیں کر سکتے ہیں جس کو دوست رکھیں لیکن اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے تک پہنچادے صدق اللہ ورسولہ پھر کسی عالم کے ذمہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ مخالف کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راہ پر کھڑا کردے کہ وہ تو بہر حال انبیاء کے نائب ہیں پھر اعلیٰحضرت کے کارنامے کو دیکھتے ہیں تو بلاشبہ کہنا پڑتا ہے کہ سو میں سو نہیں تو اتنی نوّے فیصدی کامیابی ہوئی بڑے سے بڑا مخالف ان کے مقابلہ میں ہمیشہ صامت وساکت رہا اکثر کو تو اقرار کرنا پڑا کہ مولٰنا احمد رضا خانصاحب واقعی ٹھیک فرماتے ہیں مگر مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہے حالانکہ دین وایمان کا تقاضا بلا خوف ولومۃ لائم حق گوئی حق جوئے حق طلبی ہے ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم اب رہی یہ بات کہ آپ کے زمانہ کے علما ومشاہیر آپ کے علوم سے انتفاع دیکھ کر آپ کو مجدد مائۃ حاضرہ مانا؟ تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اگر اُن تمام حضرات کے نام ہی لکھے جائیں جنھوں نے آپ کو مجدد مانا تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے ع مگر دفترے دیگر انشا کنم۔ اس لئے صرف چند اشہر مشاہیر علما اہلسنت کے نام نامی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حضرت قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین مولٰنا سید شاہ ابو الحسن احمد نوری میاں صاحب وارث سجادہ قادریہ برکاتیہ خانقاہ کلاں مارہرہ شریف (۲) حضرت زبدۃ السالکین مرجع الطالبین سیدنا شاہ ابو القاسم عرف شاہ جی میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ صادقیہ برکاتیہ مارہرہ شریف (۳) حضرت عارف باللہ مقبول بارگاہ سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ نوریہ سرکار مارہرہ شریف (۴) حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب قادری برکاتی معینی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ معینیہ بدایوں شریف (۵) حضرت مطیع الرسول مولانا شاہ عبد المقتدر صاحب سجادہ نشین خانقاہ معینیہ قادریہ بدایوں جنھوں نے ۱۳۱۸ھ جلسہ پٹنہ میں وعظ کہا اور اس میں حضور پر نور مدظلہم الاقدس کو ان الفاظ سے یاد کیا جناب عالم اہلسنت مجدد المائۃ الحاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب" یہ وعظ جب ہی دربار حق و ہدایت میں طبع ہو گیا ہے (۶) واعظ خوش بیان شیریں زبان شہید فی نصرۃ الدین حضرت مولانا شاہ عبد القیوم صاحب عثمانی قادری بدایونی۔ (۷) حضرت الاسد الاسد الارشد مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیتی (۸) حامی سنت جناب مولانا مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خانصاحب پیلی بھیتی (۹) حضرت سلطان الواعظین مولانا مولوی ابو الفضل شاہ عبد الاحد صاحب قادری پیلی بھیتی (۱۰) حضرت ضیاء الاسلام والحق والدین مولٰنا ابو المساکین محمد ضیاء الدین صاحب قادری ضیائی پیلی بھیتی (۱۱) حضرت مولانا سراج الدین ابو الوکار شاہ محمد سلامت اللہ صاحب اعظمی رامپوری (۱۲) حضرت مولانا شاہ ظہور الحسن صاحب فاروقی رامپوری (۱۳) حضرت شیر بیشہ اہلسنت ابو الوقت مولانا شاہ ہدایت رسول صاحب نوری لکھنوی رامپوری (۱۴) حضرت عبد الاسلام مولانا شاہ عبد السلام صاحب قادری جبلپوری (۱۵) حضرت حامی دین و ملت مولانا شاہ محمد بشیر صاحب قادری جبلپوری (۱۶) حضرت مولانا برہان الحق شاہ محمد عبد الباقی صاحب قادری جبلپوری (۱۷) حضرت حامی سنت ماحی بدعت جناب حاجی منشی محمد لعل خانصاحب قادری مدراسی (۱۸) حضرت استاذ زمن ماحی فتن مولٰنا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری (۱۹) حضرت اُستاذی مولانا شاہ عبید اللہ صاحب الہ آبادی کانپوری (۲۰) حضرت مولٰنا مولوی شاہ حبیب الرحمٰن صاحب کانپوری (۲۱) جناب حامی سنت ماحی بدعت مولٰنا شاہ مشتاق احمد صاحب امداد اللٰہی کانپوری (۲۲) جناب مولٰنا مولوی سر قاضی عبد الغفار صاحب بنگلوری (۲۳) عمدۃ الواعظین شبیہ غوث پاک حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی سجادہ نشین کچھوچھا شریف (۲۴) جامع علوم عقلی و نقلی واعظ شیریں بیان مولٰنا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھا شریف (۲۵) عمدۃ المتکلمین حامی دین متین مولٰنا شاہ محمد فاخر صاحب بیخود الہ آبادی (۲۶) حضرت مولٰنا مولوی شاہ عمر الدین صاحب قادری ہزاروی (۲۷) جناب مستطاب ندوہ شکن ندوی فگن مولانا مولوی قاضی عبد الوحید صاحب رئیس عظیم آبادی جنھوں نے مجلس علماء اہلسنت پٹنہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ میں پُر زور قصیدہ پڑھا اور اس میں علماء کرام حاضرین جلسہ کی تعریف و توصیف کی اسی میں اعلحضرت کے متعلق لکھا ہے

وعالم اہلسنت مصطفانا　　　مجدد عصرہ الفرد الفرید

جس کو سیکڑوں علماء کرام نے سنا اور بخوشی قبول کیا اور کسی نے انکار نہ کیا تو گویا اس لقب پر اجماع علماء اہلسنت وجماعت ہوا اسی وجہ سے اعلحضرت کے نام باہر سے جتنے خطوط آیا کرتے جن کی مجموعی تعداد سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچتی ہے ان سب میں نام نامی کے ساتھ اعلحضرت امام اہلسنت مجدد مایۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ" یہ چار صفتیں ضرور ہوا کرتی ہیں اور یہ کچھ علماء اہلسنت ہندوستان ہی پر موقوف نہیں علما حرمین شریفین و دیگر ممالک اسلامیہ نے حضور پُر نور کو اسی لقب سے یاد فرمایا ہے تقریظات حسام الحرمین والدولتہ المکیہ شریف واخیار البیان دمشق وغیرہ ملاحظہ ہوں حضرت غیظ المنافقین و فوز الموافقین

حامی السنۃ والیہا ماحی البدعۃ وجہلہا زینۃ الزمان وحسنۃ الاوان منشد خطاب الکرم حافظ کتب الحرم العلامۃ الجلیل والفہامۃ النبیل حضرت مولٰنا السید اسمٰعیل خلیل ادامہا اللہ بالعزو التبجیل اپنی تقریظ حسام الحرمین میں فرماتے ہیں واحمد اللہ تعالٰی علی ان فیض ھذ العالم العامل الفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر مظہر کم ترک الاول للاٰخر فرید الدھر وحید العصر مولٰنا الشیخ احمد رضا خانصاحب سلمہ اللہ الرب المنان لابطال حججھم الداحضہ بالاٰیات والاحادیث القاطعہ کیف لا وقد شہد لہ علماء مکۃ بذلک ولولم یکن بالمحل الارفع لما وقع منھم ذلک بل اقول لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا وصدقا

ولیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

فجزاہ اللہ خیر الجزاء عن الدین واھلہ ومنحہ الفضل والرضوان بمنہ وکرمہ یعنی اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اُس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے منقبتوں اور فخروں والا اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں اللہ بڑے احسان والا پروردگار اسے سلامت رکھے ان کے بے ثبات حجتوں کو آیتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لئے اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علماء مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماء مکہ اس کی نسبت گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق و صحیح ہو۔

خدا سے تو اس کا اچنبھا نہ جان　　کہ ایک شخص میں جمع ہو سب جہان

تو اللہ اُسے دین و اہل دین کی طرف سے سب میں بہتر جزا عطا کرے اور اسے اپنے احسان اور اپنے کرم سے اپنا فضل اور اپنی رضا بخشے وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

حجۃ الاسلام کا بقیہ صفحہ ۵۸ سے آگے

وقت غسل یہ اجسام مبارک بالکل زندہ جسم کی طرح نرم و نازک تھے۔ ہاتھ کندھے تک بلا تکلف مُڑ جاتا اور جسم دبانے سے نرم معلوم ہوتا۔ اس نرمی کے اعتبار سے مکمل زندہ جسم کے مطابق۔ مطلق سختی نہیں۔

ایسے ہی سر اس طرف اُس طرف گھمایا جاسکتا اور غسل بھی فوراً نہیں بلکہ اعلحضرت کو بیس گھنٹہ بعد دیا گیا اور نرمی کی وہی کیفیت۔ اور حجۃ الاسلام کو بھی تقریباً ۱۲ گھنٹہ بعد اور نرمی کا وہی عالم۔ ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ حضرت حجۃ الاسلام کا وصال ۱۰ بجکر ۴۵ منٹ پر شب میں ہوا۔ گرمی کا موسم۔ مئی کا مہینہ۔ دوسرے دن ۲ بجے دن پیشانی پر پسینہ دیکھا گیا۔ اُس وقت تو صرف تعجب ہی ہوا۔ مگر اب اُس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ جب دوران تدریس درجہ حدیث۔ یہ حدیث شریف نظر سے گذری۔ عن بریدۃ المومن یموت بعرق الجبین۔ رواہ الترمذی۔

دوران بیماری پلنگ اندر باہر پکڑا جاتا تو مشقت معلوم ہوتی۔ اور بوجھ محسوس ہوتا اور بعد وصال جنازہ مبارک پھولوں کی مانند ہلکا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سی شہادتیں ہیں جو آپ کی مقبولیت و کرامت پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن کی تفحص تلاش آپ کے مریدین سے کی جاسکتی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں خاص کر مولٰنا سردار احمد صاحب کو لائل پور لکھا جاتا تو بہت کچھ معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔

منقبت

(فاضل بریلوی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

از:۔ مولانا صوفی محمد خلیل صاحب کچھوچھوی (جین پور اعظم گڑھ)

پیشوائے اولیا احمد رضا خاں قادری
مقتدائے اصفیا احمد رضا خاں قادری

حامیِ دینِ خدا احمد رضا خاں قادری
ماحیِ جور و جفا احمد رضا خاں قادری

آیتِ ربّ العلا احمد رضا خاں قادری
حجۃ خیر الوریٰ احمد رضا خاں قادری

عاشقِ غوث الوریٰ احمد رضا خاں قادری
جانشینِ مصطفےٰ احمد رضا خاں قادری

رہبرِ اہلِ شریعت ہادیِ اہلِ طریق
مشعلِ راہِ خدا احمد رضا خاں قادری

زہد و تقویٰ میں کہیں ملتی نہیں تیری مثال
اے رئیس الاتقیا احمد رضا خاں قادری

تیری ذاتِ پاک تھی مجموعۂ فضل و کمال
تیرا رتبہ تھا بڑا احمد رضا خاں قادری

اہلسنت کی امامت کا ہے سہرا تیرے سر
مرحبا صد مرحبا احمد رضا خاں قادری

دین کی وہ خدمتیں کیں تیرے دستِ پاک نے
جس کا ڈنکا بج گیا احمد رضا خاں قادری

نجدیت بیدینیت کا سر کچل کر رکھ دیا
جب ترا خامہ اٹھا احمد رضا خاں قادری

تو نے زندہ کر دیا واللہ دینِ پاک کو
تو محی الدین تھا احمد رضا خاں قادری

نورِ حبِّ مصطفےٰ سے جگمگا اٹھا تھا تو
اے مرے شمس الضحیٰ احمد رضا خاں قادری

تو سراپا معجزہ تھا سیدِ کونین کا
اے خوشا رتبہ ترا احمد رضا خاں قادری

اہلِ باطل کانپتے تھے تیری صولت سے شہا
تو تھا وہ شیرِ خدا احمد رضا خاں قادری

بزمِ سنیت بہت سنسان و سونی ہو گئی
پھر ذرا ڈنکا بجا احمد رضا خاں قادری

تو سراپا تھا رضائے حق رضائے مصطفےٰ
نام تھا سچا ترا احمد رضا خاں قادری

اہلِ ردّت اہلِ بدعت اہلِ باطل کے لئے
سیفِ مسلولِ خدا احمد رضا خاں قادری

فتح و نصرت نے وہیں آکر قدم چوما ترا
جب ترا جھنڈا اٹھا احمد رضا خاں قادری

ہے ترا دنیائے سنیت پہ احسان عظیم
دے خدا تجھکو جزا احمد رضا خاں قادری

اس خلیل قادری کی لاج رکھ لینا شہا
جبکہ ہو محشر بپا احمد رضا خاں قادری

سوانح حیات اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اداریہ

ولادت باسعادت

امام اہل سنت مجدد دین و ملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو اس خاکدان عالم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا آپ کا تاریخی نام "المختار" ہے خود اعلیٰحضرت نے اپنی تاریخ ولادت ۱۲۷۲ھ حسب ذیل آیۂ کریمہ سے استخراج فرمائی ہے

آیۃ ۔ اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ

۱۲ ۷ ھ ۲

خاندانی حالات

اعلیٰحضرت کا اسم مبارک عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں ابن مولانا محمد نقی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں ابن مولانا حافظ محمد کاظم علی خاں بن مولانا حضرت شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت مولانا سعید اللہ خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔

اعلیٰحضرت کے آبا و اجداد ملک قندھار کے معزز قبیلہ کے پٹھان تھے ۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے ۔ پھر وہاں سے دہلی آئے ۔ چنانچہ حضرت سعید اللہ خانصاحب ششش ہزاری عہدہ پر فائز ہوئے اور شجاعت جنگ کا انھیں خطاب دیا گیا ۔ ان کے صاحبزادے سلطنت کی طرف سے ایک مہم سر کرنے کے لئے بریلی (روہیل کھنڈ) بھیجے گئے ، فتحیابی پر ان کو بریلی کا صوبہ بنانے کے لئے فرمان شاہی آیا ۔ موصوف کے تین صاحبزادے اعظم خاں معظم خاں ، مکرم خاں مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے ، ان میں سے اعظم خاں صاحب بریلی تشریف فرما ہوئے ، شاہزادہ کا تکیہ جو محلہ معماران بریلی میں ہے آج انھیں کی نسبت سے مشہور ہے ۔ موصوف کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خانصاحب شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے ، سلطنت مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے ان کے تصفیہ کے لئے کلکتہ تشریف لیگئے تھے حضرت حافظ کے صاحبزادہ زبدۃ الکاملین حضرت مولانا شاہ رضا علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی مختصر تاریخ تذکرہ علمائے ہند مصنفہ رحمان علی خاں مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں درج ہے ۔ چونکہ تذکرہ علمائے ہند زبان فارسی میں ہے اس لئے اردو میں اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ۔

" مولانا رضا علی خاں صاحب بریلی کے بزرگ ترین علمائے اکرام سے تھے ، ان کے آبا و اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں عالی مراتب پر فائز رہے ۔ مولانا ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور سے علوم درسیہ حاصل کر کے ۲۳ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل فرمائی بالخصوص تصوف میں کامل مہارت حاصل فرمائی ۔ آپ کے فضائل و اوصاف شمار سے باہر ہیں ۔ سبقت سلام ، زہد و قناعت ، علم و تواضع ، تجرید و تفرید آپ کی خصوصیات سے تھے ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی

حضرت کی کرامات

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ کے کمالات و کرامات بیان فرماتے ہوئے فرمایا ۔

" حضرت کا گزر ایک روز کوچہ سیتارام کی طرف سے ہوا ۔ ہولی کا زمانہ تھا ۔ ایک بازاری طوائف نے اپنے بالاخانہ سے حضرت پر رنگ چھوڑ دیا ۔ ایک جوشیلے مسلمان نے دیکھتے ہی بالاخانہ پر جاکر

کچھ سختی کرنی چاہی مگر حضرت نے اُسے روکا اور فرمایا اس پر کیوں سختی کرتے ہو اس نے مجھ پر رنگ ڈالا ہے خدا اس کو رنگ دیگا

یہ فرمانا تھا کہ وہ طوائف بیتابانہ آکر قدموں پر گر پڑی اور معافی مانگ کر مشرف بہ اسلام ہوئی حضرت نے وہیں پر اس نوجوان کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔ اس قسم کے اَن گنت و بے شمار واقعات و کرامات ہیں جن کی تفصیل کے لئے "حیات اعلیٰحضرت" مرتبہ ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری ملاحظہ فرمائیے۔ جس کی پہلی جلد زیر اہتمام مفتی ظفر علی صاحب نعمانی مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

تعلیم و تدریس

اعلیٰحضرت کے جد امجد نے ایک دن ایک خوشگوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند سعید فاضل و عارف ہو کر علماء عصر میں ممتاز ہوگا چنانچہ اعلیٰحضرت نے چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم فرمایا اور چھ سال کی عمر میں ایک بہت بڑے مجمع میں میلاد شریف پڑھی۔ تمام علوم درسیہ معقول و منقول، اصول و فروع سب اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کر کے بتاریخ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ سند فراغت حاصل فرمائی اور اسی دن رضاعت کا ایک مسئلہ لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا جواب بالکل صحیح تھا، والد ماجد نے اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام اعلیٰحضرت کے سپرد فرما دیا۔

۱۲۹۴ھ میں آستانۂ عالیہ سرکار مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل فرمائی اور جمیع سلاسل کی خلافت و اجازت حاصل فرمایا نیز سند حدیث سے مشرف ہو کر ۱۲۹۵ھ میں والد ماجد کی ہمرکابی میں حرمین طیبین کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔

ایک دن اعلیٰحضرت نے نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا فرمائی، اس کے بعد امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے بغیر کسی تعارف کے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولتکدہ پر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑے رہے پھر فرمایا بے شک اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں اور صحاح ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی اور فرمایا تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں

واقعات طفولیت

(۱) تقریباً پانچ چھ سال کی عمر میں اعلیٰحضرت صرف ایک بڑا کرتا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے، اتفاق سے چند بازاری عورتیں سامنے سے گزریں۔ اعلیٰحضرت نے فوراً کرتے کا اگلا دامن دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چہرۂ مبارک کو چھپا لیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان میں سے ایک بول اٹھی او صاحب منہ تو چھپا لیا اور ستر کھول دیا۔ آپ نے اس کو برجستہ جواب دیا، جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔ یہ جواب سنکر وہ سکتہ کے عالم میں ہو گئی۔

ایک روز بچوں نے اپنے استاذ سے سلام کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰحضرت نے عرض کیا، یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ 'وعلیکم السلام' کہنا چاہیے تھا مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جس سے اعلیٰحضرت کے ذکاوت اور فراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ رب کریم مسلمان کے ہر بچے کو حیات اعلیٰحضرت دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اس آئینہ میں اپنے مستقبل کو سنوار سکے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰحضرت کی تاریخ ہر مسلمان کے گھر میں پہنچائی جائے تاکہ آج کا مسلمان اپنے امام و پیشوا کی صحیح قدر و عظمت پہچان سکے۔

رامپور میں

اعلیٰحضرت ایک مرتبہ ضرورت سے رامپور تشریف لے گئے وہاں جناب عبد العلی صاحب علم ہیئات کے مشہور فاضل تھے۔ چند روز ان کی خدمت میں رہ کر شرح چغمینی کے اسباق لئے تھے۔

نواب رامپور کے اشتیاق پر دوسری بار رامپور تشریف لیگئے نواب کلب علی خاں والی رامپور نے خاص اپنے پلنگ پر بیٹھنے کیلئے فرمایا اور آپس میں کچھ علمی باتیں ہوتی رہیں۔ اثناء گفتگو میں نواب صاحب نے یہ فرمایا کہ مولانا عبد الحق صاحب خیرآبادی مشہور منطقی ہیں، آپ

ان سے منطق کی کتابیں پڑھ لیجیئے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شمس العلماء مولانا عبدالحق صاحب مرحوم خیرآبادی بھی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے اعلیٰحضرت کا ان سے تعارف فرمایا و نیز اپنے مشورہ کا تذکرہ فرمایا۔

مولانا عبدالحق مرحوم کا یہ کہنا تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی عالم ہوئے ہیں۔ ایک مولانا بحرالعلوم، دوسرے مولانا فضل حق خیرآبادی اور نصف بندہ (یعنی مولانا عبدالحق)۔

چنانچہ تعارف کے بعد مولانا عبدالحق نے اعلیٰحضرت سے دریافت فرمایا۔ "منطق میں کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟"

اعلیٰحضرت نے فرمایا "قاضی مبارک وغیرہ"۔ یہ سنکر دریافت فرمایا "کیا شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟"

یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰحضرت نے فرمایا "کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟"

مولانا عبدالحق صاحب نے معقول جواب پاکر سوال کا رُخ بدل دیا اور دریافت فرمایا "اب آپ کا کیا مشغلہ ہے؟"

فرمایا "تدریس، افتاء اور تصنیف"۔

اس کے بعد مولانا نے دریافت فرمایا "کس فن میں تصنیف فرماتے ہیں؟"

اعلیٰحضرت نے جواباً ارشاد فرمایا "مسائل دینیہ و ردّ وہابیہ"۔ جواب کے آخری لفظ کی توقع مولانا عبدالحق صاحب کو نہ تھی جس کو اعلیٰحضرت اپنی ذکاوت سے سمجھ گئے اور فرمایا "آپ کے والد ماجد مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ردّ وہابیہ فرمایا، مولوی اسمٰعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے شکست دی اور ان کے ردّ میں ایک مستقل رسالہ بنام "تحقیق الفتوی لسلب الطغوی" تحریر فرمایا۔"

اعلیٰحضرت نے علوم و معارف کے جو دریا بہائے ہیں اس کا اعتراف نہ صرف معتقدین و متوسلین کو ہے بلکہ حزب مخالف کے سرگروہ جو اعلیٰحضرت کی مخالفت پر قلم اٹھاتے ہیں ان کی بھی تحریر کا یہ حرف آخر ہوتا ہے کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خانصاحب قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا تو موافق کو ضرورت افزائش اور نہ تو مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی تھی۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ اعلیٰحضرت کے دیوان کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہو

قوت حافظہ و حفظ قرآن شریف

اعلیٰحضرت بسا اوقات ارشاد فرماتے کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ 'حافظ' لکھدیا کرتے تھے حالانکہ میں اس منصب کا اہل نہ تھا، یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا ایک رکوع پڑھ کر ہمیں سنادیں تو دوبارہ مجھ سے سن لیں۔ چنانچہ یہ طے پایا، اور عشاء کا وضو فرمانے کے بعد جماعت سے پہلے یہ نشست شروع کردی گئی اور تیسویں روز اعلیٰحضرت نے تیسوں پارہ سنادیا اور یہ فرمایا کہ بحمداللہ ہم نے کلام پاک بالترتیب یاد کرلیا اور یہ اس لیے کہ ان بندگان خدا کا کہنا غلط نہ ہو۔

دوسرا واقعہ

اعلیٰحضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مہان ہوئے، اثناء گفتگو میں "عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ" کا ذکر آیا۔ اتفاق سے یہ کتاب حضرت محدث سورتی کے کتب خانہ میں موجود تھی اور اعلیٰحضرت کے کتب خانہ میں نہ تھی۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا میں نے نہیں دیکھی ہے جاتے وقت میرے ساتھ کردیجیے گا۔

حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول فرمایا اور کتاب لاکر حاضر کردی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ملاحظہ فرمانے کے بعد بھیجدیجیے گا۔ اعلیٰحضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا مگر اعلیٰحضرت اپنے ایک جان نثار مرید کی دعوت پر رک گئے اور شب ہی کو اس ضخیم کتاب کو ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن روانگی سے قبل وہ کتاب حضرت محدث سورتی کو واپس کردی گئی۔

حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ کیا میرا اجلہ (ملاحظہ فرماکر

واپس بھیج بھیجے گا) باعث ملال ہوا۔ جواباً اعلیٰحضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگیا۔ دو تین مہینہ تک تو جہاں کے عبارت کی ضرورت ہوگی لکھ لوں گا، مضمون عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

ادبی لطیفے

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حدود و شمار سے باہر ہیں ایسے ہی ادبی لطیفے بھی جدت طرازی میں اپنی مثال ہیں۔

(۱) کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "آریہ دھرم پرچار" رکھا۔ کتاب چھپنے کے بعد مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰحضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ حاشیہ پر اس کا رد لکھا اور اسی طرح جلی قلم سے "پرچار" کے بعد "حرف" بڑھادیا، گویا اب اس کتاب کا نام ہوگیا ——
"آریہ دھرم پر چار حرف"۔

(۲) ایک رافضی نے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "جناس الاجناس" رکھا۔ اعلیٰحضرت نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ہلکی سی ترمیم فرما کر اس کتاب کا نام "انجاس الخناس" کردیا۔

(۳) مولوی خرم علی نے "نصیحۃ المسلمین" نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وہی باتیں ہیں جو تقویۃ الایمان میں ہیں۔ مطبع والے نے مصنف کا نام اس طرح لکھا "خرم علی" اعلیٰحضرت نے ہلکی سی ترمیم فرما کر کتاب کا نام "فضیحۃ المسلمین" اور مصنف کا نام "خرِ مُعلّٰی" کردیا۔

اسی طرح سے اعلیٰحضرت کے بہت سے ادبی لطائف مشہور و معروف ہیں مثلاً مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کو "تفویتہ الایمان" کردیا۔ اور ایسے ہی مولوی اشرف علی تھانوی کی "حفظ الایمان" کو "خبط الایمان" کردیا۔ ایسے ہی جمعہ کی اذان ثانی پر جب بعض علمائے اہل سنت نے اعتراض کیا تو مولانا عبدالغفار خاں صاحب رام پوری نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "جبل اللہ المتین لہدم آثار المبتدعین" رکھا، اعلیٰحضرت نے ترتیب بدل کر اس کتاب کا نام "آثار المبتدعین لہدم جبل اللہ المتین" رکھدیا۔ ان واقعات کی تفصیل دیکھنی ہو تو "حیات اعلیٰحضرت" ملاحظہ فرمایئے۔

اعلیٰحضرت محدث سورتی کی نگاہ میں

حضرت محدث صاحب اور اعلیٰحضرت کے تعلقات کو دیکھکر خطیب اعظم حضرت محدث اعظم کچھوچھوی نے ایک بار حضرت محدث سورتی سے دریافت فرمایا کہ آپ کو شرف بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے حاصل ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰحضرت سے ہے اور کسی سے نہیں، اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت محدث صاحب نے یہ فرمایا کہ سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے بخاری سے پائی اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مرادآباد میں نصیب ہوئی، بلکہ وہ ایمان جو مدار نجات ہے، میں نے صرف اعلیٰحضرت سے پایا ہے اور میرے سینے میں پوری عظمت کیساتھ مدینہ کا بسانے والا اعلیٰحضرت ہی کی ذات گرامی ہے اس لئے ان کے تذکرے سے بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے ایک ایک کلمے کو مشعل ہدایت جانتا ہوں۔

آج سے چند برس پہلے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کا سالانہ اجلاس تھا جس میں دیگر علماء کے علاوہ استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اور شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب بھی رونق پذیر تھے۔ مجی مولانا عبدالستار صاحب صدر جمہوریت اسلامیہ کے دولت کدہ پر علماء کی دعوت تھی۔ اثنا گفتگو میں اعلیٰحضرت کے فضل و کمال پر بات آئی، شیر بیشہ اہل سنت یا استاذ العلماء میں سے کسی ایک نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ فرماتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اعلیٰحضرت کے دربار سے مختلف قسم کی دولتیں نصیب ہوئیں لیکن مجھے سب سے بڑی دولت ایمان کی اگر کہیں سے نصیب ہوئی تو اعلیٰحضرت کے دربار گرامی ہے۔ اس کی

وجہ بھی یہ تھی کہ حضرت صدر الافاضل کو فلسفے سے بہت گہرا تعلق تھا جس کی وجہ سے بہت سے بعض دینی مسائل میں شکوک و شبہات تھے اگر کسی نے ان شکوک و شبہات کا ازالہ فرمایا تو وہ تاجدار اہل سنت آفتاب شریعت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بلند ترین شخصیت ہے۔

اُستاذ محترم مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت اکثر اس بات پر افسوس فرمایا کرتے ہیں کہ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اعلیٰحضرت کی زیارت سے محروم رہا۔ مگر میں نے اعلیٰحضرت کو ان کی تصنیفات سے پہچانا ہے۔

چنانچہ اعلیٰحضرت کے رسائل پر حضرت مجاہد ملت کی اتنی گہری نگاہ ہے کہ ایک مرتبہ بریلی شریف کی حاضری میں حضرت مفتی اعظم ہند نے کسی استفتا پر اپنا تحقیقی فتویٰ دکھلاتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں نے اس فتوے میں انتہائی کاوش ذہنی سے کام لیا ہے۔ اور اپنی کاوش پر حضرت مفتی اعظم کو انتہائی مسرت بھی تھی۔ فتوے کو دیکھکر استاذ محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور! اعلیٰحضرت کا جواب اس بارے میں میری نگاہ سے گذر چکا ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے انتہائی حیرت سے اپنی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ میں تو اس بات پر خوش تھا کہ یہ میری تحقیقی فتویٰ ہے مگر تاجدار اہل سنت نے کسی شعبہ کو نہیں چھوڑا۔

بات بڑھ گئی کہنا یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کے فضل و کمال کا احاطہ ہم جیسے تہی دامن و بے مایا لوگوں کا کام نہیں۔ آج جس قدر بھی اکابر علمائے اہل سنت ہیں ان کے قلم و زبان اعلیٰحضرت کی مدحت و تعریف میں رطب اللسان ہیں اور رہتی دنیا تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاجدار اہل سنت نے اپنی مختصر سی زندگی میں اپنی تصانیفات کا ایسا گراں مایہ خزانہ چھوڑ دیا ہے جو ہمیشہ کے لئے آنے والی نسل کے لئے کافی ہے۔ کاش اعلیٰحضرت کے وہ رسائل جو غیر مطبوع ہیں ان کی طباعت کا مستقل انتظام کیا جاتا اور جو مطبوعہ رسائل نادر و نایاب ہیں دوبارہ ان کی طباعت کا اہتمام کیا جاتا۔

اخلاق کریمہ

اعلیٰحضرت کی ذات گرامی الحب للہ والبغض للہ) کی مصداق تھی۔ آپ کسی سے محبت فرماتے تو اللہ کیلئے، اور مخالفت فرماتے تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ کے لئے اور منع فرماتے تو اللہ کے لئے۔

اعلیٰحضرت کا ہمیشہ معمول تھا کہ تصنیف و تالیف، کتب بینی اوراد و اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے۔ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا فرماتے۔

اعلیٰحضرت وضو اور غسل میں بہت احتیاط فرماتے عموماً دو لوٹے پانی سے وضو فرماتے۔

اعلیٰحضرت خطوط کے جوابات پر بہت اہتمام فرماتے۔ اگر استفتاء بہت اہم ہوتا تو خود اعلیٰحضرت ہی تحریر فرماتے ورنہ حضرت صدر الشریعۃ یا حضرت ملک العلماء وغیرہ کے سپرد فرما دیتے۔ مدرسہ کے متعلق جو خطوط آتے وہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھجوا دیتے۔

وعظ و تقریر

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ وعظ و تقریر سے بہت احتراز فرماتے۔ ایک مرتبہ جامع مسجد سیتاپور میں ایک صاحب نے بغیر اجازت کے وعظ کا اعلان کر دیا۔ اعلیٰحضرت کو یہ بات ناگوار خاطر گذری مگر جب مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا لوگ رُکے ہوئے ہیں کچھ بیان فرما دیجیے۔ اعلیٰحضرت نے قرآن پاک کی کسی آیت پر ایک مدلل تقریر فرمائی جس سے عوام و خواص دونوں متاثر ہوئے۔ اس قسم کے اور بھی بعض واقعات پیش آئے ہیں کہ اعلیٰحضرت کی اجازت لئے بغیر اعلان کر دیا گیا اور لوگوں کے اصرار پر مسلسل کئی کئی گھنٹے تقریر فرمائی۔

سنہ ۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ پٹنہ میں ہوا تھا جس کے رد میں پٹنہ کے بعض رئیسوں نے ایک اجلاس طلب کیا جس میں دیگر علماء اہل سنت کے علاوہ اعلیٰحضرت نے بھی شرکت فرمائی۔

حضرت سید اسمٰعیل حسن صاحب کا بیان ہے کہ میں اور مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی دونوں اپنی آرام گاہ پر آ چکے تھے

اس درمیان میں یہ معلوم ہوا کہ آج کی نشست میں اعلیٰحضرت کا بیان ہوگا تو مولانا عبد القادر صاحب بدایونی نے فرمایا کہ سنا ہے ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ چلو آج پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہوں گے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے ایسی مدلل اور جامع و معنی تقریر فرمائی کہ ندویوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اعلیٰحضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ فرمایا کرتے تھے ایک جلسہ دستار بندی کے سالانہ اجلاس میں اور دوسرا وعظ مجلس میلاد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو حضور کی طرف سے ہر سال ۱۲ ربیع الاول شریف کو صبح ۸ بجے منعقد ہوتی ہے اور شب کو بعد نماز عشاء حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب کے یہاں محفل منعقد ہوتی ہے جو اعلیٰحضرت کا آبائی مکان بھی ہے شہر کے عمائدین و معززین مطبوعہ دعوت نامہ کے ذریعہ مدعو ہوتے اور تیسرا وعظ حضرت سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر یہ محفل اعلیٰحضرت ہی کے کاشانۂ اقدس پر منعقد ہوتی۔ افسوس ہے کہ اعلیٰحضرت کے مواعظ حسنہ قلم بند نہ ہو سکے

تبحر علمی

جناب عبد الرحیم خاں صاحب قادری سلطانپوری کا بیان ہے کہ جس زمانے میں دہلی میں حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ایک دن اعلیٰحضرت کا ذکر مبارک آیا انھوں نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وہ ہستی ہے کہ علماء ہر باب میں ان کے محتاج ہیں، ان کے تبحر علمی کے یہ کمال ہیں کہ اگر وہ کوئی کتاب تصنیف فرمائیں اور چار منشی لکھنے کو بیٹھ جائیں تو جس قدر وہ تصنیف فرمائیں گے کہ یہ چاروں حضرات نقل نہ کر سکیں گے۔

حضرت سید شاہ اسمٰعیل شاہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے مولانا عبد المجید صاحب بدایونی کا شجرہ عربی درود شریف میں دکھلایا اور عرض کیا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی درود شریف میں لکھ دیجئے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے اسی وقت نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع و مسجع صیغے درود شریف شجرہ قادریہ برکاتیہ تحریر فرمادیا۔ موصوف ہی کا بیان ہے کہ اعلیٰحضرت کو علمی تبحر کی طرف میں نے ہی متوجہ کیا تھا، تذکرہ کرتا کتابیں دکھاتا چنانچہ ایک بار کسی خاندانی کتاب ایک نیا وفق سیر مرتضوی" میری نظر سے گزرا اور اسے مولانا کو بھی دکھایا۔ اس کے قاعدے کی تشریح توضیح میں کچھ گفتگو رہی۔ مولانا نے وہ کتاب رکھ لی اور دو روز کے بعد ایک مفصل رسالہ اس وفق کے متعلق تحریر فرما کر مجھے دیدیا۔

ایک بار اعلیٰحضرت مسلم الثبوت کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ حضرت کے والد ماجد صاحب کا تحریر کیا ہوا اعتراض و جواب نظر سے گزرا۔ امام اہل سنت نے اس اعتراض کو دفع فرمایا اور متن کی ایسی تحقیق فرمائی کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ تھا۔ جب پڑھنے کے واسطے حضرت والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کی نظر امام اہل سنت کے حاشیہ پر پڑی اتنی مسرت ہوئی کہ اٹھ کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ احمد رضا تم مجھ سے پڑھتے نہیں ہو بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔

ایسے ہی اعلیٰحضرت کے ابتدائی استاد جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے فرمایا کہ آپ کا شاگرد احمد رضا مجھ سے پڑھتا نہیں بلکہ مجھ کو پڑھاتا ہے۔

تاریخ گوئی

سنہ ۱۲۸۶ھ میں اعلیٰحضرت کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا، ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو اور دروازہ پر کتبہ کر دیں اعلیٰحضرت نے بابعد فرمایا ان سے کہئے "بدر رفض" جواب سن کر انھوں نے عرض کیا کہ امام باڑہ گزشتہ سال ہی تیار ہو چکا ہے۔ (۱۲۸۶ھ) مقصد یہ تھا کہ دوسری تاریخ اعلیٰحضرت فرمادیں۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے فرمایا "دار رفض" (۱۲۸۵ھ) پھر انھوں نے عرض کیا کہ اس کی ابتدا سنہ ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی، اس لئے اسی سنہ کا ہونا مناسب ہے۔ ارشاد فرمایا "در رفض" (۱۲۸۴ھ) رکھ لیجئے۔

بقیہ حالات زندگی دوسری قسط میں
ملاحظہ فرمائیے

مکتبہ پاسبان کے درِ نایاب تحفے

- راحت القلوب ------ عہ۸/
- وظائف اشرفی ------ ۶/
- اسلام وکمیونزم ---- ۸/
- اسلامی زندگی ------ عہ/
- تحفہ محمدیہ ------ ۸/
- نصرۃ الواعظین حصہ اوّل - عہ۸/
- 〃 〃 حصہ دوم - عہ۸/
- 〃 〃 حصہ سوم - عہ۸/
- سیف الجبّار ------ عہ۸/
- شمشیر صداقت ------ عہ/
- الامن والعلی ------ ۶/
- حدائق بخشش حصہ اول - ۱۴/
- 〃 〃 حصہ دوم - ۱۲/
- انوار ساطعہ ------ ۱۲/
- الحجۃ الفائحۃ ------ ۲/
- وصایا شریف ------ ۶/
- القول العجیب ------ ۱/

- الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ - ۷/
- الملفوظ (مکمل) ------ ۳/
- العقائد الکلام ------
- الکوکبۃ الشہابیہ ------ ۴/
- احکام شریعت مکمل ------ ۱۲/
- اصلاح تقویۃ الایمان مکمل - ۴/
- حسام الحرمین مع تمہید ایمان - ۶/
- بہار شریعت مکمل ------ ۲۰/
- سلطنت مصطفیٰ ------ ۵/
- سوانح کربلا ------ ۸/
- بہار شباب ------ ۲/
- ذکر حبیب اول ودوم ------ ۸/
- نظام الاوقات ------ ۴/
- ثواب ------
- نماز ------ ۶/
- لمعۃ الضحیٰ ------ ۱۰/
- شرح الحقوق ------ ۴/

- جاء الحق وزھق الباطل حصہ اول عہ/
- 〃 〃 〃 حصہ دوم للعہ/
- نسیم رحمت مکمل ------ عہ۸/
- فردوس ادب مکمل ------ عہ۵/
- کربلا کا مسافر ------ ۶/
- خون کے آنسو حصہ اول ------ ۳/
- اشک مسرت ------ ۸/
- جہان عرش ------ ۸/
- جھرمٹ ------ ۶/
- نغمہ وترنم ------ عہ/
- اشک ندامت ------ عہ/
- جلوۂ حرم ------ ۱۰/
- خورشید عرب ------ عہ/
- نغمات سعید ------ ۸/
- تنویر الایمان فی فضائل شعبان - ۴/
- کلام جگر - عہ/ کلام اکبر - عہ/
- کلام اصغر - عہ/ کلام فانی - عہ/

ملنے کا پتہ

مکتبہ پاسبان، الہ آباد ۳

کلام الامام امام الکلام

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم		جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت، امام اہلسنت، مجدّد دین و ملت، فاضل اجل، عالم بے بدل شاہ محمد احمد رضا خاں القادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہندوستان، پاکستان اور عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں، ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے، فقہ و حدیث، فلسفہ و منطق، ادب و تاریخ، تفسیر و کلام، بیان و بدیع، جملہ فنون ریاضیہ، فن شعر و عروض غرضیکہ کونسا علم ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہیں، زبردست خطیب و مقرر صاحب کثیر التصانیف مصنف، بلند پایہ محقق، عربی و فارسی زبان و ادب کے زبردست اسکالر، اردو کے بہت بڑے محسن، غرضکہ ہندوستان میں ایسی باکمال ہستیاں کم ہوئی ہوں گی ہندی مسلمان اس مایۂ ناز ہستی پر جتنا بھی فخر کریں درست ہے، کمالات ظاہری کو دیکھ جید علماء کی آنکھیں خیرہ اور حسن باطنی کو دیکھ کر اہل بصیرت حیران، علم و ہدایت کا سرچشمہ، جس سے ہزاروں علمائے دین و شریعت فیضیاب اور لاکھوں تشنہ کامانِ معرفت سیراب، زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رضائے مولا، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے غرضکہ تمام جزئیات حیات میں پیروی سنت کا التزام، بات چیت میں، تحریر و تقریر میں، نثر و نظم میں، خیال و تصور میں غرض ہر امر میں شریعت مطہرہ کا احترام۔ یہ ہیں وہ اوصاف جنھیں ہر دیکھنے والی آنکھ اُس مقدس ذات میں دیکھتی رہی۔

جس زمانہ میں اس ہادی شریعت اور ماحی بدعت کا ظہور ہوا۔ وہ زمانہ ہندوستان میں دین و ملت کے لئے بہت نازک زمانہ تھا۔ بہت پرآشوب وقت تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد، ہر سمت دین میں رخنہ اندازیاں، کہیں دہریت و نیچریت کا زور، کہیں قادیانیت کا فتنہ، کہیں خدا کے منکر تو کہیں رسول کے منکر، رب العٰلمین نے کرم فرمایا اور رحمۃ للعٰلمین کا ایک سچا غلام۔ سچا عاشق پیدا فرما دیا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے		بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مجھے ان اوراق میں سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدارج عالیہ کا خطبہ پڑھنا، یا ان کے کمالات صوری و معنوی پر قصیدہ لکھنا مقصود نہیں ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے، اس بڑے کام کو وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو درحقیقت بڑے ہیں، مجھ جیسا کم لیاقت اور بے بضاعت انسان بھلا سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و محامد پر کیا قلم اٹھا سکتا ہے۔

مجھے آپ کے جس وصف نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ہے ان کا جذبۂ عشق رسول اور ان کی جس تصنیف نے میرے قلب پر گہرے نقوش بنائے ہیں وہ ہے اُن کے نعتیہ کلام کا مجموعہ 'حدائق بخشش'، یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے اور اس کی تاریخ اشاعت ۱۳۲۵ ہجری ہے۔

'حدائق بخشش'، گلہائے نعت و منقبت کا ایک ایسا حسین و دلکش گلدستہ ہے کہ جس کا جواب ہند و پاکستان میں نہیں بلکہ عرب و عجم میں مشکل سے نظر آئے گا۔ 'حدائق بخشش'، خسرو اقلیم سخن، مداح رسول الثقلین، حسان العصر، شہنشاہ نعت گویاں یعنی عبد المصطفیٰ رضائے جندی کے عشق بھرے دل و دماغ کی تخلیق ہے۔ جس طرح آپ امام اہل سنت ہیں اسی طرح ان کا کلام بھی، کلام و سخن کا امام ہے، اور حدائق بخشش پر "کلام الامام امام الکلام" کا مقولہ حرف بحرف صادق آتا ہے۔ کیونکہ در اصل یہ کلام شمع ہدایت ہے تمام مداحان رسول کے لئے۔

اردو شعراء کے تذکروں اور تاریخ ادب اردو کی کتابوں میں رضا بریلوی کا نام شعراء کی فہرست میں نہیں ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے، تمام اہل علم واہل قلم اعلیٰحضرت کے مرتبہ سے واقف ہیں، ان کے دل ودماغ پر اعلیٰحضرت کی بزرگی اور فضیلت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ سب بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ شعراء کی ذیل میں اعلیٰحضرت کو شامل کرنا بے ادبی ہے اور ان کی اعلیٰ شان کے منافی ہے، کہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خسرو اقلیم سخن فن شاعری سے نابلد ہے، رموز ونکات شعر سے ناواقف ہے۔ نہیں نہیں، رضا کو فن شعر پر پوری قدرت حاصل ہے، بلکہ ملک سخن کی شاہی رضا کے لئے مسلّم ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم		جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دئے ہیں

یہ شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، رضاؔ نے قریب قریب تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے، غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد قطعات ورباعیات غرض جس میدان کی طرف آگئے ہیں سکے بٹھا دئے ہیں، مضامین کی کثرت ہے، زور بیان بدرجہ اتم ہے، فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دئے ہیں۔ حمد ونعت، منقبت، سلام ودرود، دعا والتجا حقیقت ومعرفت، معجزات وکرامات، آیات قرآنی واحادیث نبوی کی شرح وغیرہ اس قدر مضامین کا تنوع ہے کہ حیرت ہوتی ہے تشبیہات واستعارات کی ندرت، صنائع بدائع کا حُسن، قوافی کا زور تسلسل بیان، آمد، انتہائی جوش وجذبہ والہانہ عقیدت وارادت، غرض کہ یہ سب چیزیں اعلیٰحضرت کے کلام میں پائی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں اور چند ایسے امتیازی خصائص بھی ملتے ہیں جو دیگر شعراء کے کلام میں ڈھونڈھے سے نہیں ملتے۔

اعلیٰحضرت پیشہ ور شاعر نہیں بلکہ نعت گو شاعر ہیں، ان کا میدان شاعری نعت سرور کائنات ہے، یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کی وسعت وپہنائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جس طرح میدان نعت گوئی وسیع ہے اسی طرح وقیع بھی ہے۔ محبوب رب العٰلمین کی ثنا وصفت سے بڑھ کر اور کونسا کلام ہو سکتا ہے۔ خود خلاق دوعالم پہلا نعت گو ہے اور کلام اللہ حمد ونعت کی جامع کتاب ہے ؎

از ابتدا تا آخر سارا کلام ربّی		یا حمد کبریا ہے یا نعت مصطفیٰ ہے

اعلیٰحضرت نے تمام زور شاعری نعت کے میدان میں صرف کیا ہے، دنیا کے کسی تاجدار کو تاجدار کہنا وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ کبھی کسی امیر، بادشاہ حاکم وغیرہ کی مدح سرائی نہیں کی، مجازی حسن وعشق کی شاعری سے بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ غرضکہ ان تمام لغویات سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا، احکام شریعت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے۔ ہر بیجا ونامناسب بات سے کلام کو محفوظ رکھا اور قرآن سے نعت گوئی کا درس لیا۔ خود ایک رباعی میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ		بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی		یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

میدان نعت اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن سخت مشکل بھی ہے۔ یہ راہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے، افراط وتفریط سے بچ کر، شریعت کی قیود میں رہ کر جذبۂ دل کا اظہار کرنا بہت دشوار ہے۔ اعلیٰحضرت نے حدود شریعت میں رہ کر جس جوش اور جس خلوص سے اپنے آقا کی عظمت وبزرگی کے خطبے پڑھے ہیں اور جس ولولہ اور کیف کے ساتھ اپنے مولیٰ کی ثنا کے نغمے گائے وہ آپ اپنی مثال ہیں، درود پڑھئے اور سنئے اللّٰھم صلِّ وسلم وبارك عليہ۔

تشبیہات واستعارات

عام شعراء جنھیں نعت گوئی کا بھی شوق ہے اکثر وبیشتر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ استعارے استعمال کر جاتے ہیں جو عموماً عشقیہ غزلوں میں معشوقانِ مجازی کے لئے مستعمل ہیں مثلاً دلبر، شوخ، قاتل، بت، ستمگر وغیرہ وغیرہ، اب اعلیٰحضرت کا کلام ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ آقائے دوجہاں اور محبوب کردگار کے کیسے پیارے پیارے

احترام و محبت سے بھرے ہوئے، شیریں، لطیف اور نازک استعارے استعمال فرمائے ہیں ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں — جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں — اے جانِجاں میں جانِ تجلا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں — تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے
کہ دیگی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی — چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

ہر موقعہ پر ایسے ہی الفاظ سے یاد کیا ہے جو شایانِ شان محبوب ہوں، جانِ مراد، کانِ تمنا۔ جانِجاں، جانِ تجلّی جانِ رحمت تاب و توانِ مسیحا، بیکس نواز گیسوؤں والا۔ مالک و مولیٰ۔ رؤف رحیم وغیرہ کیسے پیارے الفاظ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ غور کیجئے ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی صنعت موجود ہے، پہلے شعر میں مراعاۃ النظیر، دوسرے شعر میں امید و حرماں میں تضاد ہے، تیسرے شعر میں جسم و جان اور تابش و تجلا کی بلاغت پر غور کیجئے۔ چوتھے شعر میں مردہ دل اور حیاتِ ابد اور پھر حیات اور مسیحا کی نسبت پر غور کیجئے اور پھر حضور اکرم کو مسیحا کی جان کی تاب و تواں کہنا کتنا لطیف اور پر کیف استعارہ ہے، پانچویں شعر میں وصف اور عیب میں صنعت تضاد ہے۔

صنائع بدائع صنائع بدائع اگر شعر میں مناسب طور سے برمحل و برجستہ آجائیں تو کلام کی زیب و زینت ہیں، اگر تکلف کے ساتھ لائے جائیں تو مذاق صحیح پر گراں ہو جاتے ہیں۔ اعلحضرت کے کلام میں بکثرت لفظی و معنوی صنعتیں آئی ہیں اور سب برمحل ہیں لف و نشر، حسن تعلیل ایہام، مقابلہ، تلمیح و تملیع، سجع و ترصیع، تنسیق الصفات، اشتقاق وغیرہ بکثرت صنائع و بدائع ہیں جو حسن کلام کا زیور بن کر معنوی حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔

صنعت تملیع یعنی کلام میں مختلف زبانوں کو جمع کر دینا اعلحضرت کسی شاعرانہ خوبی، یا لفظی صنعت کے لئے شعر نہیں کہتے اور نہ کوئی بھی بلند پایہ خوددار شاعر اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ یوں کلام میں خود بخود برمحل کوئی محاورہ، ضرب المثل، روزمرہ، یا صنعت آجائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن بعض اوقات مذاق زمانہ یا فرمائش احباب سے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ رضاؔ کے نعتیہ دیوان میں بھی ایک غزل کے تمام اشعار میں صنعت تملیع اسی قسم کی مجبوری کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ حرف تین شعر ملاحظہ ہوں، اس میں عربی فارسی، ہندی اور اردو چار زبانوں کو ہر شعر میں جمع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

۱۔ لَمْ یَاتِ نَظِیْرُكَ فِیْ نَظَرٍ — مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے — تجھ کو شہ دوسرا جانا
۲۔ البحر علا والموج طغیٰ — من بیکس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا — موری نیا پار لگا جانا

مقطع میں فرماتے ہیں ؎
بس خامۂ خام نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

بڑی بڑی سنگلاخ زمینوں میں اور مشکل مشکل ردیف و قافیوں میں بھی نہایت عمدہ و پُر کیف اشعار نکالے ہیں۔ معراج کا مضمون ہے، بندہ اللہ سے ملنے جاتا ہے گویا جلوۂ ظاہر لمعۂ باطن میں گم ہونے جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

معجزہ شق القمر و رجوع الشمس

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا　　لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا
تیری مرضی پاگیا سورج پھرا اُلٹے قدم　　تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چِر گیا

محاورہ و روزمرہ کا استعمال

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اُڑنے لگی　　بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا

اس شعر میں اربعہ عناصر ہوا، خاک، آتش، پانی سب کو جمع فرمادیا اور ہوا بندھ جانا۔ خاک اڑنا۔ پانی پھرنا، محاورات کس خوبی سے نظم فرمائے ہیں اور ذرا بندھنا۔ اڑنا۔ چلنا۔ پھرنا پر بھی غور فرمائیے۔

حسرت و ناکامی

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی　　ہائے وہ دل جو ترے در سے پُر ارمان گیا
دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا　　سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے　　تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

تقابل

حُسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایسے تقابل سے ہے جو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے، (۱) وہاں حسن یہاں نام (۲) وہاں کٹنا کہ عدم قصد پر دال ہے یہاں کٹانا کہ قصد و ارادہ بتاتا ہے (۳) وہاں مصر یہاں عرب کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کی سرکشی و خودسری مشہور تھی (۴) وہاں انگشت یہاں سر (۵) وہاں زنان یہاں مردان (۶) وہاں کٹیں کہ ایک بار وقوع بتاتا ہے یہاں کٹاتے ہیں کہ استمرار پر دلیل ہے۔

فصاحت و بلاغت

سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول　　لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ　　مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دُلہن پھول

حسن تعلیل

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم　　قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

قرآن نے نعت گوئی سکھائی

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا　　کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر[1] و کلام[2] و بقا[3] کی قسم

(۱) شہر کی قسم رب تبارک و تعالیٰ کھاتا ہے قسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد۔ مجھے اس شہر مکہ کی قسم ہے اس لئے کہ اے محبوب تو اس شہر میں تشریف فرما ہے۔ (۲) و　　یارب ان ھؤلاء قوم لا یومنون یعنی مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (۳) لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون۔ اے محبوب مجھے تیری جانِ عزیز کی قسم کہ یہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں

سلامت

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں　　جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دئے ہیں
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا　　تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو　　جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دئے ہیں

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے کا عزم

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

پوری غزل نہایت پر کیف اور ایمان افروز ہے طوالت کے خوف سے چھوڑتا ہوں،

حسن و لطافت

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ — قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
خامۂ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ — کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ
اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں — میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر — ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
اس طرف روضہ کا نور اس سمت منبر کی بہار — بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

صنعت سجع و ترصیع اور جوش بیان

زور بیان، جوش عقیدت، اور لطف زبان اور مختلف صنائع بدائع مثلاً سجع، ترصیع، اشتقاق۔ تنسیق الصفات وغیرہ کے ساتھ ساتھ نعت کے مضامین کو کس روانی کیساتھ بیان فرمایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے — چنیں و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم — وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے
جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دولھن — سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے

پوری غزل اسی طرح زوردار ہے۔

اعلیٰحضرت کے مخصوص رنگ کے چند قصائد

حدائق بخشش حصہ اوّل میں تین بڑے قصیدے ہیں۔ جن میں اعلیٰحضرت کا خاص رنگ پایا جاتا ہے، یہ قصائد جملہ خوبیوں کے حامل ہیں۔ روانی و جوش، جذبہ و عقیدت، تسلسل کلام، تخیئل و محاکات، تمثیلات و استعارات، روزمرہ و محاورہ، صنائع لفظی و معنوی غرضکہ تمام ادبی محاسن کے ساتھ ساتھ جذبہ عشق رسول، قرآن و حدیث کے مضامین اگر ملاحظہ کرنا ہوں تو پڑھئے "حاضری بارگاہ بہیں جاہ" وصل اول رنگ علمی اور پھر دوسرا قصیدہ اسی بحر قوافی میں وصل دوم رنگ عشقی جس کا تاریخی عنوان ہے "حاضری درگاہ ابدی پناہ" ۱۳۲۴ہجری۔ ان دونوں قصیدوں کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں قرآن و حدیث اور تاریخ و سیرت نبوی کے متعلق مضامین کثیرہ کو ایک ایک شعر میں قلمبند کر دیا ہے گویا کوزہ میں دریا سمو دیا ہے، صرف چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہوں ؎

پہلا قصیدہ رنگ علمی

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے — جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
من زار تربتی وجبت لہٗ شفاعتی — ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

حدیث میں فرمایا ہے من زار تربتی وجبت لہٗ شفاعتی۔ جو میرے مزار پاک کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظل — روشن انھیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے[1]

[1] یعنی حجر اسود

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز — اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

دوسرا قصیدہ۔ رنگ عشقی

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے — کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے — سونپا خدا کو یہ عظمت کس سفر کی ہے
ہاں ہاں وہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ — او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک — حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے — اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے
طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند — سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
مانگیں گے مانگے جائیں گے منھ مانگی پائیں گے — سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے — یہ بھی نہیں

پورا قصیدہ عشق میں ڈوبا ہوا ہے، پڑھ کر وجد طاری ہو جاتا ہے اور ایک ایک شعر ان دونوں قصائد کا ایسا ہے کہ علماء اور واعظین کے لئے تقریر کا مستقل عنوان بن سکتا ہے جس پر گھنٹوں تقریر کی جا سکتی ہے۔

معراج نظم | یہ معراجیہ قصیدہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ پورے واقعہ معراج کو جس حسن و لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے، پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اوراق میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں، چند جستہ جستہ اشعار لکھے جاتے ہیں ؎

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے — نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں — اُدھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے
تجلّی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور — دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنیٔ اول آخر — کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے
تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو — رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے
جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ۔ گری تھی سجدہ میں بزم بالا — یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا۔ وہ گرد قربان ہو رہے تھے
بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرور ممجّد — نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی۔ یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی — کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہدو کہ سر جھکالے گماں سے گزرے گزرنے والے — پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر — اُسی کے جلوے اسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

قصیدہ نور | یہ معلوم ہوتا ہے کہ نور کی زمین ہے نور کا آسمان ہے، ہر طرف نور ہی نور ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا — نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا
تیرے ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا — رخ ہے قبلہ نور کا ابرو ہے کعبہ نور کا

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا　　　　تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا
جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا　　　　نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

قصیدۂ سلام بارگاہِ رسالت پناہ میں ہزاروں لاکھوں سلام لکھے گئے، پڑھے گئے، لیکن اعلیٰحضرت کے اس سلام کا جواب آجتک نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔ شہنشاہ سخن کی قادر الکلامی اگر دیکھنا ہو تو اس سلام کو پڑھئے اور انصاف کیجئے کہ یہ شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقت تھی جو رضاؔ کی زبان سے نکل گئی تھی ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم　　　　جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دئے ہیں

روانی اور جوش کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے جو امنڈا چلا آتا ہے۔ اگر صرف اس ایک سلام پر تبصرہ کیا جائے تو پورا مجلّہ بھر جائے اور حق تبصرہ ادا نہ ہو۔ پیاری پیاری ترکیبیں، میٹھے میٹھے استعارے۔ سرکار کے اعلیٰ مدارج، معجزات، سرکار ابد قرار کے ہر ہر موئے تن پر سلام، حیات طیبہ کی ایک ایک آن اور ایک لمحہ پر سلام، سرکار کی ہر ادا پر سلام، سرکار کے اصحاب و عزت پر سلام، اہل بیت نبوت پر سلام، سیدہ طاہرہ ملکہ جنت پر سلام، حسن مجتبیٰ و شہید کربلا پر سلام، امہات المومنین پر سلام، جان نثارانِ بدر و اُحد پر درود عشرہ مبشرہ پر سلام، خلفائے راشدین پر سلام۔ تمام صحابۂ کرام پر سلام، حضور غوثیت مآب کی بارگاہ میں سلام، غرضکہ ان کی ساری امت پر لاکھوں سلام۔ اس سلام میں تقریباً پونے دو سو اشعار ہیں اور ہر شعر ہر مصرعہ ہر ترکیب، ہر لفظ کہہ رہا ہے کہ "کلام الامام امام الکلام"۔ چند اشعار لکھے جاتے ہیں ؎

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام　　　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم تاجدار حرم　　　　نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود　　　　نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود　　　　ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

پورے سراپا میں ہر ہر عضو پہ علٰحدہ علٰحدہ سلام کہنے کے بعد فرماتے ہیں ؎

الغرض ان کے ہر مو پہ لاکھوں درود　　　　ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام
ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود　　　　ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

اس کے بعد حضور کے آل و اصحاب وغیرہ سب پر سلسلہ وار سلام کہتے ہیں اور پھر تمام اہلسنت پر اور اپنے استاد، ماں باپ بھائی بہن، اہل و عیال پر اور آخر میں فرماتے ہیں۔

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں　　　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

درود اعلیٰحضرت کے سلام کی طرح آپ کا قصیدہ درود بھی لاجواب ہے۔ اس میں اپنے عجز و نیاز اور سرکار سے التجا و استمداد کا پہلو بہت نمایاں ہے یہ درود اعلیٰحضرت کی جدت ہے اور تمام ظاہری و باطنی، صوری و معنوی اور داخلی و خارجی خوبیوں کا حامل ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود　　　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود
اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　　　جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا		سینہ پہ رکھدو ذرا تم پہ کروروں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب		نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروروں درود
آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس		بس ہے یہی آسرا تم پہ کروروں درود
خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم		تم سے ملا جو ملا تم پہ کروروں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں ضیا دیجئے		جلوہ قریب آگیا تم پہ کروروں درود
کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے		ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

فارسی کلام اعلیحضرت کو فارسی پر پورا عبور حاصل ہے۔ فارسی میں غزلیات، قصائد، رباعیات، قطعات، مستزاد و مثنوی سب لکھا ہے اور بہت خوب لکھا ہے، ایک مثنوی ردّ امثالیہ میں لاجواب ہے۔ اکسیر اعظم یعنی قصیدہ در منقبت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بہت خوب ہے اس قصیدہ کے صرف دو شعر بطور نمونہ کلام پیش کرتا ہوں ؎

پیر پیراں، میر میراں یا شہ جیلاں توئی		اُنس جانِ قدسیاں و غوث انس و جاں توئی
سر توئی سرور توئی سرا سر و ساماں توئی		جاں توئی جاناں توئی، جاں را قرار جاں توئی

امتیازی خصوصیات میدان نعت و منقبت میں شہنشاہ نعت گویاں یعنی اعلیحضرت فاضل بریلوی کا کوئی حریف مقابل نہیں، آپ کا پاکیزہ کلام دوسرے نعت گو شعراء کے لئے مشعل ہدایت ہے، آپ کی چند امتیازی خصوصیات ہیں جو دوسرے شعراء میں کم نظر آئیں گی۔

(۱) احترام شریعت الفاظ میں تخیئل میں ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے، اللہ کے محبوب کے لئے ایسے الفاظ اور ایسے استعارے استعمال ہیں جو انتہائی ادب و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں، جس کی بیشتر مثالیں آچکی ہیں۔ تمام کلام شروع سے آخر تک پڑھ جائیے لفظ "یثرب" کہیں نہ پائیے گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم نازش سے تمام برائیوں اور بیماریوں کو دور کر کے یثرب کو طیبہ بنا دیا ہے۔

(۲) حفظ مراتب، خدا، رسول خدا، انبیا، صحابہ، اولیاء، ان سب کے مراتب کا خیال رکھنا۔ اکثر شعراء جوش عقیدت میں اولیا کو صحابہ کرام اور انبیا پر فضیلت دے جاتے ہیں یہ صحابہ کرام کے فضائل بیان کرنے میں دیگر انبیا پر فضیلت دے دیتے ہیں، یا نبی الانبیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دیگر انبیائے کرام سے اس طرح کرتے ہیں کہ ان کا احترام باقی نہیں رہتا۔ اعلیحضرت کے کلام میں یہ بات ہرگز نہ پائیے گا۔

(۳) اکثر شعراء کعبہ، عرش، حرم، مسجد، جنت، رضوان، اسلام وغیرہ کی حرمت پر ٹھیس لگاتے ہیں اور بت خانہ، میخانہ، کفر و زنار وغیرہ کی عظمت ثابت کرتے ہیں یہ بہت معیوب چیز ہے، اس قسم کی لغویات سے اعلیحضرت کا کلام بالکل پاک ہے۔

(۴) اعلیحضرت کا کلام جھوٹ، مبالغہ، اور ریا سے بالکل منزہ ہے۔ ہر جگہ خلوص صداقت، اور جذب دل کی ترجمانی ملے گی۔

(۵) عقائد اہلسنت کی تبلیغ اور اطاعت و محبت رسول کی تلقین اور عقائد باطلہ کی تردید بھی اعلیحضرت کی خصوصیت ہے۔

(۶) سرکار غوثیت مآب میں بے انتہا نیازمندانہ عقیدت بھی آپکی امتیازی شان ہے۔

(۷) فضائل نبوی کو دلائل سے ثابت کرنا۔ سرکار رسالت کے مدارج عالیہ، حضور کے اقتدار اور علم وغیرہ کے ذکر میں جہاں

انتہائی جوش و جذبہ کا اظہار کیا ہے وہاں اس خیال سے کہ کسی نا فہم کو مبالغہ کا شبہ نہ ہو مضمون کو دلائل سے مبرہن کر دیا ہے مثلاً

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

(۸) اکثر ان شعراء کے یہاں جو فلک سخنوری کے آفتاب و ماہتاب کہلاتے ہیں، نعت و منقبت کے مضامین میں خلوص اور دلی جذبہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تصنع، تکلف اور بناوٹ ہے۔ اعلیٰحضرت کا کلام سرتاپا دلی جذبات کی نگارش ہے۔

(۹) اعلیٰحضرت کے نعتیہ قصائد غیر ضروری اور نامناسب تمہید اور تشبیب سے شروع نہیں ہوتے۔ جیسا کہ بہت سے فارسی و اردو بلند پایہ شعراء کا طریقہ ہے

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت کا کلام ہر قسم کی تمام لغزشوں اور لغویتوں سے بالکل پاک ہے۔ آپ سچے عاشق رسول ہیں اور حکم مولا کے خلاف ہرگز نہ کوئی کام کرتے ہیں نہ بات کرتے ہیں۔ آپ کا کلام نعت صاحب لولاک کا انمول خزانہ ہے۔ قرآن و حدیث کی محبت بھری تفسیر ہے اور ہر صاحب ایمان مسلمان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اپنے مضمون کو اعلیٰحضرت کی ایک رباعی پر ختم کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ　　ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں　　ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اللھم صل وسلم وبارك عليه

ضرورت مجدد

دنیا کی تمام قوموں میں مذہب ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ہر قوم نے اپنے مذہب کی صداقت پر اس طرح یقین کیا ہے اور اس کے اصول کو اتنا عزیز رکھا ہے کہ اس کے خلاف آواز سنکر اور اس کے اصول مٹتے دیکھ کر تڑپ گئی ہے خصوصاً مسلمانوں کو مذہب اور بھی ہر چیز سے محبوب وعزیز تر رہا ہے۔ اصولاً ہونا بھی چاہئے کیونکہ مسلم قوم کی تعمیر نسلی، خاندانی، ملکی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اس کی قومیت کا عنصر اور خمیر صرف مذہب ہے ع قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں۔

اسی لئے جب کبھی کسی بد باطن کے ہاتھوں مذہبی اصول مٹتے نظر آئے۔ سرفروشان اسلام نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا کر قوانین اسلام کو مٹنے سے بچالیا۔

دشت کربلا میں تڑپتے ہوئے لاشے، بہتے ہوئے خون، نیزوں پر بلند ہونے والے سر، اور ایک ایک ذرہ گواہی دے گا کہ گلشن اسلام کی سیرابی فرات کی تیز و تند موجوں سے نہیں۔ بلکہ نونہالان خاندان رسالت کے پاک لہو سے ہوئی ہے۔

یزید تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد کھیل کھیلا۔ اس کے شر کی قوتیں اس طرح ابھر آئیں کہ قمار بازی و شراب نوشی کی ترویج۔ قوانین اسلام کی بے حرمتی، محارم سے شادی بیاہ اس کی زندگی کا مشغلہ بن گیا۔ ایسی صورت میں ضرورت تھی کہ شاہانہ شکوہ لیکر کوئی ایسا محافظ اسلام اور مجدد پیدا ہو جو باطل کی قہرمانی طاقت سے قطعاً خوف نہ کھائے اور تعلیمات اسلام کو غلط تراش خراش سے پاک کر کے صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے وہ ہستی بڑھی جو فقر کی جلد میں شاہانہ کرو فر رکھتی تھی، وہ ہستی جس کے گھر سے دنیا کو درس ہدایت ملا تھا، وہ ہستی تھی حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کی۔ کہ آپ سے زیادہ کون روح اسلام سے واقف ہوسکتا تھا۔ آپنے آگے بڑھ کر یزید کے ہاتھوں قوانین اسلام کو پامال ہونے سے بچالیا اور اپنے خون سے حفاظت اسلام کا حق ادا کر دیا۔

شاہ ست حسین بادشاہ ست حسین　　دیں ہست حسین دیں پناہ ست حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید　　حقا کہ بناء لا الہ ست حسین "

اس طرح مختلف دور میں اسلام کے چشمۂ صافی میں آمیزشیں ہوتی رہیں۔ کبھی یونانی منطق و فلسفہ کے اصول سے اسلام پر حملے ہوئے اور کوشش کی گئی کہ اصول اسلام کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ خود علماء اسلام اس قدر مرعوب تھے کہ چاہتے تھے منطقی اصول پر تعلیمات اسلام منطبق کر دیا جائے۔ ایسے وقت میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت سامنے آئی اور منطقی اصول سے منطقی مباحث کی بخیہ ادھیڑ کر رکھ دی۔ اور اسلام کے عقائد و اساسیات کی ایسی تعبیر پیش کی کہ پھر وہی اسلام کا پاک اصول غلط آمیزش سے الگ ہو کر سامنے آگیا۔ مگر آہ قوم کی غفلت شعاری سے ع فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی۔

ہندوستان میں اگرچہ پہلی صدی ہجری میں شعاع اسلام پہنچ چکی تھی۔ مگر ریگستان سندھ سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ مجاہدین اسلام کے ذریعہ پورے ہندوستان میں اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ اس ملک کی بدبختی کہئے کہ عرب فاتحین کے فیض سے تقریباً محروم رہا اور اُن کے بدلے ترکوں مغلوں کی گویا غیر اسلامی حکومت سے سابقہ پڑا۔ وہ بھی ایسے وقت میں یعنی

تیسری صدی ہجری کے بعد جبکہ خود مرکز اسلام میں انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں میں بے عملی پیدا ہو چکی تھی۔ ایسی شکل میں حجاز کا نکھرا ہوا اسلام کہاں تک اس ملک کے حصہ میں آسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت جلد اسلامی اساسیات میں ہندوانہ رسوم وعقائد داخل ہونے لگے۔ دسویں صدی ہجری میں جب اکبر کا دور آتا ہے تو یہ چیز اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

ضلالت وگمراہی کی حد ہو گئی۔ دین اسلام کے اصول میں ترمیم کی گئی۔ بادشاہ کو سجدہ کیا جانے لگا۔ حدود حلال وحرام رخصت ہو گئے۔ ہوائے نفس کے ہاتھوں قوانین اسلام کی بے حرمتی کا بازار گرم ہو گیا۔ یہی حالات تھے جن میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جو شریعت محمدی کے حمایت کے لئے اُٹھے اور اس مجدد وقت نے ان فتنوں کے خلاف علم اصلاح بلند کر کے آخر کار نام نہاد اسلامی حکومت کو بالکل کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کے منہ کو پھیر دیا نیز بیعت وارشاد کے ذریعہ تعلیمات اسلام میں پھر نکھار پیدا کر دیا۔

اس کے بعد پھر زمانے نے ایک پلٹا کھایا اس مرتبہ وہابیت اپنے دار السلطنت نجد سے ہندوستان میں جنم لے کر عقائد اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہو گئی۔ اس عیاری سے روح اسلام سلب کرنے لگی کہ مسلمانوں کو احساس بھی نہ ہو اور اسلام کا ڈھانچہ بے روح ہو کر رہ جائے۔

وہابیت کے مبلغ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عقائد اسلام کی تنقید شروع کر دی۔ خالص اسلامی حکومت عقیدے سے بن کفر وشرک کا فتویٰ لگا کر اس میں ترمیم کرنے لگے اور اس کے بجائے دوسرا خود ساختہ عقیدہ اسلام کے اندر ٹھونسنے کی کوشش کی۔

مثلاً۔ قرآن تعلیم دیتا ہے۔ أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے غنی کر دیا اپنے فضل سے۔ قرآن کہتا ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دولتمند کر دیا۔ مگر وہابیت اسے شرک بتا رہی تھی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ أُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور مردوں کو جلا دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف تندرست کرنے کی نسبت کر رہا ہے۔ مگر وہابیت شرک بتا رہی تھی۔ چنانچہ تقویۃ الایمان صفحہ ۳ پر ہے۔

روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا۔ اقبال ادبار دینا حاجتیں بر لانی بلائیں ٹالنی۔ مشکل میں دستگیری کرنی یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا اولیا بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے۔

مثلاً متعدد حدیثوں میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو حرم کیا اس کے ببول کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کا شکار نہ کیا جائے۔ احادیث میں شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا احترام ہی کی بنا پر ہے۔ مگر وہابیت اسے شرک بتا کر توہین کی تعلیم دے رہی تھی تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱ پر ہے۔ گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں کا شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے بنائے ہیں۔ پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے۔ اس پر شرک ثابت ہے۔ خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہے یا یوں کہ اس کی تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے

ہر طرح شرک ہے۔

مثلاً حدیث تو یہ بتاتی ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا۔ اللہ نے اپنے انبیا کے اجسام زمین پر کھانا حرام کردیا ہے۔ اللہ حی یرزق۔ مگر وہابیت کے نزدیک حضور مرکر مٹی میں مل گئے جیسا کہ تقویۃ الایمان ۶۰ میں ہے۔

اسی طرح تمام اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان جہت سے پاک ہے بحر الرائق ودر مختار وعالمگیری میں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جو مکان ثابت کرے کافر ہے۔ مگر وہابیت کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا ضلالت وگمراہی ہے چنانچہ ایضاح الحق ۳۵ و ۳۶ میں ہے سریہ او تعالیٰ از زمان ومکان وجہت واثبات رویت بلا جہت ومحاذات ہمہ از قبل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تعظیم وتوقیر جو دین کی بنیاد ہے۔ بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست دگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست۔ دلوں سے نکالنا وہابیت کا اہم فریضہ تھا۔ ایسے وقت میں دین حنیف کی حفاظت کے لئے پھر ایک ایسے مجدد کی ضرورت تھی کہ حالات کا پورا نباض ہو تاکہ وہابیت کی دکھتی ہوئی رگ پکڑ کر دنیا کے سامنے رکھ دے اور لوگ دیکھ لیں کہ کتنا فساد پیدا ہوچکا ہے۔

بالآخر علم وفضل کا آفتاب نصف النہار اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ شہر بریلی شریف میں دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ بوقت ظہر جلوہ گر ہوا۔ حسن اتفاق کہ اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا جو اہل نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے۔

تاریخی نام المختار ۱۲۷۲ ہے نیز اعلیحضرت نے مکتوبات شریف اپنا سن ولادت اس آیہ کریمہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان ایدھم بروح منہ سے استخراج فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان کا کشف کرکے یہ عارف باللہ خود اعلان کرتا ہے کہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ اور اگر آیت کے دوسرے حصہ کی ناظرین تصدیق چاہتے ہوں تو آپ کی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ ہر بد مذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصنیفات کے ذریعہ جہاں تشنگان علم کو سیراب کیا وہیں افتا وارشاد کے ذریعہ ہر بد مذہب خصوصاً وہابیت کی دھجی بکھیر کر رکھ دی اور پھر انا علیہ واصحابی کہ صراط مستقیم وہابیت کی آلودگیوں سے پاک وصاف کرکے قوم مسلم کے سامنے پیش کردی۔

آپ کی زندگی کی تفصیلی حالات وحمایت وحفاظت دین کے واقعات کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے لیکن آپ کی اس رباعی سے آپ کی زندگی کا اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

منم و کنج خموئی کہ نگنجد در وے خبر من وچند کتاب ودوات قلمے
نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

حالات حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:۔ مولانا عبدالحمید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوتے کی ولادت کی مسرت افزا خبر سن کر سجدۂ شکر ادا فرمایا ملہم غیب نے مبارکباد دی کہ "ظہور محمدی" ہوا یہی آپ کا تاریخی نام ہے (۱۲۸۹ھ)۔ اور سیر الاولیا حضور اچھے میاں صاحب مارہروی نے اس مرقع فضل و کمال کا نام "فضل رسول" رکھا۔ اور معنوی طور سے اپنا فرزند قرار دیا۔ جس نونہال پر حضور اچھے میاں صاحب جیسے قطب وقت کی نظر شفقت ہو اور حضرت مولینا شاہ عین الحق صاحب جیسے باپ کی محبت آمیز نگاہیں پڑتی ہوں اس کی آئندہ ترقی مدارج خود بخود آئینہ ہوتی جاتی ہے۔

ابتدائی تعلیم:۔ بزرگی کے آثار بچپن ہی میں غازۂ رخسار بنے تھے، چار برس کی عمر ہوتے ہی مکتب کی رسم ادا ہوئی۔ مقدس دادا نے بسم اللہ کیا شروع کرائی کہ پوتے کی زبان کو خزانۂ علوم کی کلید بنا دیا۔ تاجدار مارہرہ کی باطنی توجہ اور بزرگ دادا کی ظاہری تربیت سونے پر سہاگہ کا کام کر گئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت مولینا شاہ عبدالحمید صاحب نے فرمائی۔

تحصیل علوم کا ذوق گیارہ برس تک مولینا کا آغوش محبت دامنگیر رہا، شفقت و پیار نے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ بارہویں سال تحصیل علم کے جذبۂ صادق نے پیادہ قصد سفر پر آمادہ کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ محض توکل پر بے سر و سامانی کے ساتھ گھر سے چل دیے۔ بدایوں سے براہ داتا گنج شاہجہاں پور ہو کر لوگ لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ آپ بھی اسی راستے پر ہو لئے۔ مصائب سفر کو جھیلتے ہوئے چوتھے دن حوالی لکھنؤ میں پہونچے شب گذاری کے بعد صبح کو سلطان العلما حضرت مولینا نور الحق صاحب کی درسگاہ میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ مولانا خود چشم براہ کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ جس وقت آپ پر نظر پڑی بکمال شفقت و محبت بڑھ کر سینے سے لگایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اکابر علمائے فرنگی محل نے یہ سن کر کہ حضرت مولینا عین الحق عبدالحمید صاحب بدایونی کے صاحبزادے بارہ برس کی عمر میں تحصیل علوم کے لئے تشریف لائے ہیں، جوق جوق آنا شروع کیا۔ اور ہر طرف سے شفقت و پیار کی نظر آپ پر پڑنے لگی! چنانچہ تین برس فرنگی محل میں رہکر شفیق استاد کی مخصوص عنایات کے باعث جملہ علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کیا۔ یہاں تک کہ جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ کا مہینہ آیا۔ جس میں حضرت قطب الافاق مخدوم شاہ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ردولی شریف میں ہوتا ہے۔ استاد مطلق حضرت سلطان العلمار مولانا نورالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیارے شاگرد کو حکم دیا کہ ردولی شریف ہماری ہمرکابی میں چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ آستانہ پر حاضری کے بعد سلطان العلمار نے کھڑے ہو کر صاحب آستانہ سے استعانت و استمداد فرمائی اور مولینا فضل رسول کو پیش نظر بلا کر کھڑا کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالواسع صاحب مولینا عبدالواجد صاحب خیرآبادی مولینا ظہور اللہ صاحب فرنگی محلی و دیگر اکابر مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج یہ مجلس صرف اس لئے منعقد کی گئی ہے کہ آپ حضرات کے سامنے فضل رسول کا جملہ علوم و فنون میں امتحان ہو جائے۔ چنانچہ سلطان العلمار کے اصرار پر بعض علمار نے بعض مسائل پر گفتگو کی۔ جواب ملنے پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفریں بلند ہوئی، اس کے بعد سلطان العلمار نے رسم دستار بندی ادا فرمائی۔

(عبد الواسع صاحب لکھنوی :- آپ علوم عقلیہ کے جید فاضل اور اپنے زمانے کے نامور اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ سیدن پور کے رہنے والے تھے مولینا بحر العلوم سے استفادہ علوم کے بعد مشاہیر علماء کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ سلسلۂ خاندان برکاتیہ میں حضرت سیدی شاہ آل رسول صاحب قادری مارہروی نے بھی آپ سے استفادہ علمیہ فرمایا۔ مولانا عبد الواجد صاحب خیر آبادی، آپ مولوی محمد اعلم صاحب فاروقی سندیلوی کے جو ملا حمد اللہ سندیلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں ہمشیرزادہ یعنی بھانجہ اور استاذ امام مولینا فضل امام خیر آبادی کے استاد ہیں۔ یہ بھی اپنے زمانے میں فرد یکتا تھے۔ مولوی امام العالم خیر آبادی جنھوں نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح لکھی ہے آپ انھیں کی اولاد میں سے تھے۔ مولینا ظہور اللہ صاحب لکھنوی، آپ مولوی محمد ولی ابن مفتی غلام مصطفٰے کے فرزند اور ملا محمد حسن لکھنوی کے بھتیجے ہیں ۱۱۔۔ھ میں پیدا ہوئے، نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے عہد میں عہدۂ افتا پر فائز ہوئے۔)

مولینا فضل رسول حضرت سلطان العلماء کے ساتھ رُدولی سے لکھنؤ واپس آئے۔ اور اساتذہ کی قدم بوسی کے بعد بدایوں روانہ ہو گئے۔ اور شاداں و فرحاں بدایوں شریف تشریف لائے۔ جدِ امجد کی قدم بوسی حاصل کی، تین سال کی محنت کا نتیجہ یعنی سندِ تکمیل پیش کی مربیانہ شفقت کے ساتھ کمال مسرت کا اظہار فرمایا۔

حصولِ فنِ طب :- لیکن جوشِ محبت کے ساتھ فنِ طب کی تحصیل کا بھی سوال ہوا جس نے فوراً ہی خرمنِ دل پر برقِ شرربار کا کام کیا۔ اور بدایوں شریف میں چند روز قیام فرما کر ریاست دھولپور روانہ ہو گئے۔ دھولپور پہونچ کر حکیم سید میر علی خاں موہانی جو اس زمانے کے شہرۂ آفاق طبیب تھے ان کے یہاں حاضر ہو کر کتب طب کا آغاز فرمایا۔ ایک دن تشخیص نبض کی بحث آ گئی، بہت دیر تک حکیم صاحب سمجھاتے رہے مگر مولانا کی تسکین خاطر نہ ہوئی، حکیم صاحب نے فرمایا کہ نبض کی تحقیق کے لئے ضرورت ہے کہ طبیب کی انگلیاں کم از کم ستار کے پردوں کی شناخت رکھتی ہوں۔ حکیم صاحب کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی مولینا کتاب بند کر دی۔ اور مطب سے اٹھ گئے، اسی وقت سے فن موسیقی کے کسی باکمال شخص کی جستجو کرنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دھولپور سے گوالیار آ گئے۔ راجہ کے ندیموں میں اس فن کا ایک ماہر تھا۔ اس سے فن موسیقی میں مہارت تامہ حاصل کی۔ پھر دوبارہ گوالیار سے دھولپور واپس آئے اور دو سال کی محنت میں طبیب حاذق بن گئے۔ قدرت نے آپ کو وہ دماغ عطا فرمایا تھا کہ اگر ارسطو بھی ہوتا تو زانوئے ادب تہ کرتا۔ بقراط و سقراط کے دماغ آپ کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے نظر آتے۔

درس و تدریس :- مولینا فضلِ رسول صاحب وطن آ کر اپنے آبائی قدیم مدرسہ کو جو اس وقت تک حضرت بحر العلوم مولینا محمد علی صاحب کے نام کی رعایت سے مدرسہ محمدیہ کہلاتا تھا۔ ترقی کا ایک خلعت جدید پہنایا مسند درس آراستہ کی اور سلسلہ درس و تدریس شروع فرمایا۔ اور مدرسہ محمدیہ کو مدرسہ قادریہ کے نام سے موسوم فرما کر علمی گھرانوں کو گراں مایہ دولت سے سرفراز فرمایا۔ آج وہی درس گاہ مدرسہ عالیہ قادریہ کے نام سے حضرت مفتی اعظم بدایوں مولینا عبد القدیر صاحب ادام اللہ ظلہم و فیوضہم کے زیر سرپرستی و زیر اہتمام حضرت علامہ خواجہ نظام الدین صاحب بدایونی سرچشمۂ علم ہو کر تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہا ہے۔ ابھی آپ کا حلقہ درس ابتدائی حال میں تھا کہ آپ کی عالمگیر شہرت نے دنیائے علم میں دھوم مچا دی۔ طلباء کی کثرت سے شہر میں چہل پہل نظر آنے لگی مساجد طالب علموں سے معمور ہو گئیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد حرمین شریفین ابدی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لئے مدینہ منورہ کے علمی تاجدار علمائے عالم کے سرتاج حضرت مولینا شیخ عابد مدنی انصاری اور مکہ مکرمہ کے روشن چراغ امام الائمہ حضرت مولینا شیخ عبد اللہ سراج مکی کی خدمت میں حصول برکت کے لئے حاضر ہوئے اور جدید اسانید حاصل فرما کر دوبارہ مسند درس پر مسند آرا ہوئے۔ اب سے پہلے علوم ظاہری کا فیض جاری تھا اور اب

باطنی کمالات کے سرچشمے امنڈ پڑے، گویا آپ کی ذات مجمع البحرین بن کر ظاہر و باطن کی نعمتوں کی قاسم بن گئی، یہی علمائے اہلسنت ہیں جنہوں نے سرزمین ہند پر علوم و فنون کی تخم پاشی کی۔ بدایوں۔ بریلی فرنگی محل۔ مارہرہ۔ کچھوچھہ شریف ہندوستان کے یہی وہ مقدس مقامات ہیں جہاں کہ برگزیدہ شخصیتوں نے علوم و فنون سے لوگوں کو آشنا کیا اگرچہ آج بھی علم کے بہت سے نام نہاد اڈے بن گئے ہیں لیکن وہ اپنے محسنوں کی تعلیم کو بھول کر ایسی پگڈنڈی پر چل پڑے جس کی نظیر اسلاف میں نہیں ملتی۔ کہیں میلاد و نیاز پر مباحثہ ہے اور کہیں مسئلہ علم غیب اور ختم نبوت پر حجت و تکرار، عجیب حیرت ہے۔ فتنہ سہارنپور کی چہار دیواری سے اٹھایا جائے اور تاجدار اہل سنت مجدد دین ملت اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مطعون و متہم کیا جائے۔ اور بیباکی و دریدہ دہنی سے یہ کہا جائے کہ مولینا احمد رضا خاں صاحب نے سرزمین ہند پر ایک آگ لگا دی۔ حالانکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ردّ وہابیہ کا سلسلہ تاجدار اہل سنت سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ مولینا فضل حق خیرآبادی، مولینا فضل رسول بدایونی اور آپ کے ہمعصر دوسرے اکابر علماء نے وہابیت کی بیخ کنی اور نہ صرف زبانی بلکہ رد وہابیہ کے لئے قلم بھی اٹھایا۔ جو بصورت کتاب اب تک موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے اس وقت فتنۂ وہابیت کی ابتدا تھی اور اعلیٰ حضرت کے عہد زریں میں فتنۂ وہابیت اپنے شباب پر تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت بھی اسی انداز سے کی گئی اور اعلیٰ حضرت کی شان تجدید کا ایک نمایاں حصہ ہے۔ جو ان کے مجدد مأۃ حاضرہ ہونے پر روشن دلیل ہے۔ بات پر بات پیدا ہوئی، مناسب ہے کہ ہند کے آخری تاجدار محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ابوظفر سراج الدین کے دربار شاہی کا وہ استفتاء یہاں پر پیش کر دیا جائے جو مختلف فیہ مسائل پر مولینا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا تھا۔ چونکہ اصل استفتاء زبان فارسی میں بہت طویل ہے اس لئے اردو میں اختصاراً اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل مولود شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام و شیرینی پر حرام ہے۔ اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب دستور قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے۔ اور کہتا ہے تعزیہ کا بالقصد یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے۔ اور ہولی کا دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلا ارادہ ہو ہو تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی۔ اور کعبہ شریف و مدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے۔ اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اور مکہ معظمہ میں عبد اللہ ابن زبیر کو قتل کیا۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ سے باہر کیا پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدار اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے۔ و نیز ان کے متبعین پر کیا حکم ہے۔ فقط۔

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دین پناہ وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ۔

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی
ابوظفر سراج الدین

الجواب:۔ تاج الفحول حضرت مولانا فضل رسول علیہ الرحمہ نے تقریباً پندرہ صفحہ

میں جواب تحریر فرمایا ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ اصل جواب نقل کیا جائے خلاصہ جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں جو مسلک تاجدار اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ہے بعینہ وہی مسلک تاج الفحول مولانا فضل رسول بدایونی کا ہے۔ جواز میلاد و جواز قیام۔ و جواز استعانت جواز اولیاء اللہ و نیاز و فاتحہ۔ شیرینی و معجزہ قدم رسالت ؐ کے حق ہونے پر متعدد دلائل پیش فرمائے ہیں۔ تفصیل کے لئے اکمل التاریخ جلد دوم صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۱۲۹ ملاحظہ فرمائیے۔

مجھے اس موقع پر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اعلیٰ حضرت پر یہ محض بہتان و افتراء ہے کہ رد وہابیہ اعلیٰ حضرت نے شروع فرمایا۔ اعلیٰ حضرت سے بہت دنوں پہلے یہ آگ ہندوستان میں لگ چکی تھی۔ یہ تو رب کریم کا ہزار ہزار رحم و کرم ہے کہ "ہر فرعونے را موسیٰ" کے مطابق اس طاغوتی طاقت کو خائب و خاسر کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت جیسی برگزیدہ شخصیت کو ہند کا تاجدار بنایا۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ان علمائے اہلسنت کا نام نامی بھی تحریر کر دیا جائے جنھوں نے تاج الفحول مولینا فضل رسول رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر تصدیقی دستخط فرمایا تھا۔

مولانا مفتی محمد صدر الدین صاحب صدر الصدور دہلی۔ مولانا سید محمد صاحب مدرس مدرسہ عربیہ دہلی۔ مولانا شاہ احمد سعید صاحب دہلوی۔ مولینا محمد مظہر صاحب۔ مولانا محمد عمر صاحب۔ مولانا محمد کریم اللہ صاحب۔ مولانا فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد۔ مولانا حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب۔ مولینا حکیم محمد امام الدین خانصاحب مولانا قاضی احمد الدین صاحب۔ قاضی محمد علی صاحب۔ مولانا محمد عزیز الدین صاحب۔ مولانا تفضل حسین خاں صاحب۔ مولانا سید بشیر علی صاحب امروہوی۔ مولانا حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام۔ مولانا داور بخش صاحب۔ مولانا حسن الزماں صاحب۔ مفتی محب اللہ صاحب۔

آپ اس دستخط سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج سے ایک صدی پیشتر جمہور علمائے ہند جواز میلاد و قیام نذر و نیاز استمداد و وسیلہ کے قائل تھے چند ہی ایسے بد باطن تھے جو تعظیم رسول کے منکر اور ان کے عدم جواز کے قائل تھے۔

تذکرہ اساتذہ :- سلطان العلماء حضرت مولانا نور الحق علیہ الرحمہ فرنگی محل کے حرم خانہ علم کے سراج منیر ہیں آپ کا نورانی شجرہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے آپ ملک العلماء مولانا قطب الدین شہید سہالوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ اور مولینا محمد سعید قدس سرہٗ کے پرپوتے ہیں۔ ۳۰ ربیع الاول شریف شب یکشنبہ ۱۲۸۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ بسمل شاعر نے تاریخ وصال اس طرح موزوں کی ہے۔ ؎

پے تاریخ ترحیلش چو بسمل
در معنی بہ کلکِ فکر می سفت
سُروشِ غیب ناگہ بادلِ زار
بسوئے حق برفتہ نورِ حق گفت

۱ ۲ ۸ ۳

تذکرۂ علمائے فرنگی محل

ملک العلماء مولینا قطب الدین شہید سہالوی :-

آپ علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ہیں یہ عطائے الٰہی آپ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپ کی اولاد میں اس وقت تک نسلاً بعد نسلاً علم و فضل چلا آتا ہے اکثر علمائے ہند کا سلسلۂ تلمذ آپ تک پہونچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں شیخ علاء الدین انصاری ہرات سے نواح دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں سے ملا نظام الدین نے قصبہ سہالی میں آکر اقامت کی، آپ نے ملا دانیال شاگرد مولانا عبد السلام ساکن دیوا۔ اور شیخ گھاسی شاگرد شیخ محب اللہ الہ آبادی سے اکتساب علم فرمایا۔ (حضرت شیخ گھاسی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک شہر الہ آباد محلہ اٹالہ میں ہے۔ اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک الہ آباد محلہ کیٹ گنج میں ہے اور شیخ ہی کے آستانے میں ہندوستان کے مشہور شاعر اصغر گونڈوی مدفون ہیں)

آپ نے چار فرزند ملا اسعد - ملا محمد سعید - ملا محمد رضا - ملا محمد نظام الدین صاحب فضل و کمال کو اپنی یادگار چھوڑی جن کی اولاد اب تک وارث علم و دانش موجود ہیں۔ آپ کی شہادت ۱۹ر رجب بروز دوشنبہ ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے تاریخ وصال یہ فرمائی۔

ع قطب عالم شدہ شہید اکبر

ملا محمد سعید لکھنوی :- آپ نے اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد ایک محضر تیار کیا۔ اور دکن پہونچ کر حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور بطور استغاثہ پیش کیا۔ دربار سلطانی سے فرمان معافی فرنگی محل عطا ہوا۔ بعد واپسی فرنگی محل پر دخیل ہو کر سب کو وہیں بلا کر رکھا۔ ملا شاہ احمد انوار الحق بن ملا احمد عبد الحق لکھنوی نے مولوی احمد حسین اور ملا احمد حسن سے پڑھ کر اور مولانا بحر العلوم سے تکمیل کرنے کے بعد معقولات سے بالکل احتراز کر لیا تھا۔ ۲ر شعبان ۱۲۳۶ھ روز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ مصرعہ تاریخ یہ ہے۔

ع رحمت حق بروح انور بعد ۔

۱ ۲۰۵۳ ۶

ملا احمد عبد الحق لکھنوی :- آپ نے تکمیل علوم اپنے عم مکرم ملا نظام الدین بن قطب الدین شہید سہالوی سے کی۔ آپ کی تصانیف سے شرح سلم و حواشی زواہد یادگار ہے۔ بحر علوم حضرت مولانا عبد العلی لکھنوی آپ ملا نظام الدین کی آخری عمر کی یادگار ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں والد ماجد سے جملہ علوم کی تکمیل فرمائی۔ بچند وجوہ لکھنؤ سے جدا ہو کر حافظ الملک نواب رحمت خاں کی کمال قدردانی کے باعث شاہجہانپور میں مدرس رہے۔ اس کے بعد فیض اللہ خاں والی رامپور آپ کو رامپور لے آئے یہاں سے قلت معاش کے باعث بہار منشی صدر الدین کے یہاں سلسلہ درس جاری فرمایا۔ یہاں جب کچھ ان بن ہو گئی تو نواب علی محمد خاں والی کرناٹک نے آپ کو نہایت عزت و تکریم سے مدراس بلا لیا۔ اور بحر العلوم کا خطاب دیا۔ تمام عمر مولینا نے یہیں بسر فرمائی۔

تمام ہند میں کوئی اہل علم ایسا نہیں جو آپ کے فضائل علمیہ کا قائل نہ ہو۔

۱۲ر رجب ۱۲۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا آپ کی مشہور تصانیف کثیرہ آپ کی یادگار رہیں۔

حلقۂ درس :- مولانا فضل رسول صاحب کے تلامذہ کا ذکر ایک مشکل اور دشوار کام ہے جس ذات گرامی نے سلسلہ درس کو سفر و حضر ہر حال میں جاری رکھا ہو اس کے تلامذہ کا شمار احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ بعض مشاہر علماء کا ذکر کیا جاتا ہے۔ قاضی القضات جناب مولانا و مفتی اسد اللہ خاں صاحب الہ آبادی و مفتی جناب رسول صاحب چڑیا کوٹی مولینا محمد فاروقی مرحوم جو آپ کے برادر خود اور ارشد تلامذہ سے تھے جن کے شاگرد مولوی شبلی نعمانی اعظمی تھے جن کے انتقال کی خبر ۲۰ر نومبر ۱۹۱۴ء اخبار "زمیندار" میں شایع ہوئی ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح فوت ہو گئے۔ مولوی شبلی نعمانی یہ اگرچہ مولینا فضل رسول بدایونی کے تلامذہ میں سے تھے مگر ایک آزاد خیال جدید روش پر صاحب تصانیف کثیرہ گذرے ہیں۔ مولوی خرم علی حضرت سے تکمیل علوم کے بعد دہلی پہونچے، وہاں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور مولوی اسحاق دہلوی سے متاثر ہو کر نو مذہب کا رنگ قبول کر لیا۔ مولوی سخاوت علی جونپوری اور بھی بہت سے نامور علماء ہند کو آپ کا شرف تلمذ حاصل رہا جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

مشاغل طبیہ :- جس طرح تاج الفحول مولینا فضل رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو درس نظامی کی کتب متداولہ پر عبور تھا اور اس فن میں شہرہ آفاق رہے اسی طرح طب میں بھی آپ نے اپنا ریکارڈ قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ معالجات ہی کے سلسلے میں آپ کو بنارس کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اور راجہ بنارس کی وہ مریضہ لڑکی جس کے علاج سے عام اطباء و ڈاکٹر عاجز تھے اس کو حضرت ہی کے ہاتھ سے شفا حاصل ہوئی۔ آپ کے دست شفا عجیب و غریب واقعات آج بھی اہل بدایوں کی زبان پر ہیں۔

سفر حجاز :- ۱۲۵۵ھ میں ۱۱ سال کی ریاضت کے

بعد عالم جذبۂ بے خودی میں حج کا احرام باندھ کر تنہا سفر کر لیا دہلی سے روانہ ہو کر دار الخیر یعنی اجمیر میں حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی حضوری سے مشرف ہو کر احمد آباد گجرات ہوتے ہوئے سورت میں جلوہ افروز ہوئے۔ باوجودیکہ راہ میں آستانوں پر قیام اولیاء کرام کی زیارت کا اہتمام ملحوظ نظر تھا۔ پھر بھی چھ مہینے کا سفر صرف سترہ دن میں طے فرمایا۔ سورت سے بذریعہ بحری جہاز سے سفر فرمایا اور جدہ سے مکہ مکرمہ تک پیادہ پا سفر فرمایا۔ ۱۲۶۸ھ میں سفر عراق کا قصد فرمایا اور جوش عقیدت کے ساتھ بغداد شریف میں حاضری دی، یہ سفر بھی اگرچہ پہلا سفر تھا لیکن دربار غوثیت سے جو عزت افزائی سرفرازی فرمائی گئی۔ یہ انہیں کا حصہ تھا۔ حضرت نے بغداد شریف میں عرصہ تک قیام فرمایا حضرت نقیب صاحب نے بکمال کرم حضور پیران پیر کے باطنی اشارہ سے مثال خلافت خاندانی عطا فرمائی۔ اور اپنے فرزند اکبر سیدی سلیمان صاحب کو حکم دیا کہ آپ سے تلمذ و اجازت حاصل فرمائیں، اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم بدایوں حضرت مولانا عبد المقتدر صاحب بدایونی اسی خاندان کے روشن چراغ ہیں۔ جو ہر سال شہنشاہ بغداد کے آستانہ بوسی کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ خداوند کریم موصوف کے ظل عاطفت کو دراز فرمائے۔ حضرت سیدی شاہ عین الحق رحمۃ اللہ علیہ نقاہت اور کبر سنی کے سبب چارپائی پر استراحت ترک فرما دی تھی۔ کفش برداروں نے عرض کیا کہ حضور ہم لوگوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے۔ برخوردار مولوی فضل رسول تو پیادہ پا ہزاروں مصائب جھیل کر حج میں سفر کریں اور میں چارپائی پر آرام کروں۔

تذکرہ وصال:۔ حضرت کی عمر شریف کے چھہتر سال ختم ہونے کے بعد ستہتر کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۲۸۹ھ میں دونوں شانوں کے درمیان پشت مبارک پر زخم نمودار ہوا۔ ایک دن قاضی شمس الاسلام صاحب عباسی جو آپ کے والد اقدس کے مریدوں میں تھے عیادت کے لئے حاضر تھے حضرت نے ارشاد فرمایا قاضی صاحب بمقتضائے (واما بنعمت ربک فحدث) آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے استیصال فرقۂ وہابیہ کے لئے مامور کیا گیا۔ الحمد للہ کہ فرقۂ باطل اسمٰعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پوری طور پر ہو چکا، دربار نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی۔ میں اس دار فانی سے جانے والا ہوں، دوسری تاریخ ماہ مبارک جمادی الثانی پنجشنبہ کے دن اپنے صاحبزادے شیخ الاسلام "تاج الفحول" حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب محب رسول کو طلب فرما کر نماز جنازہ کی وصیت فرمائی اور عمر کے آخری وقت میں بلند آواز سے دو بار اللہ اللہ ارشاد فرمایا ادھر اسم ذات زبان سے برآمد ہوا ادھر روح مبارک خانہ تن سے برآمد ہو کر تشریف فرمائے خلد بریں ہوئی۔ ایک نور دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہو کر غائب ہو گیا۔ سارے شہر میں تاریکی چھا گئی، آفتاب فن و کمال غروب ہوا، بھیانک اور بد رونقی تمام گلی کوچوں میں عیاں ہونے لگی۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون ۵)

حالات اشرفی

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی
یہ جو صورت ہے تیری صورت جاناں ہے یہی

افتخار خاندانی

اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ کا نام نامی اسم گرامی حاجی الحرمین سید علی حسین، کنیت ابو محمد، لقب خاندانی شاہ پیر، اور اعلیٰحضرت، خطاب سجادہ نشین سرکار کلاں اور تخلص اشرفی تھا۔

حضرت موصوف کا خاندان بھی اشرفی کہلاتا ہے، چونکہ آپ سیدنا عبد الرزاق نور العین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں اور حضرت نور العین قدس سرہ حضرت قطب عالم شہنشاہ بغداد محبوب سبحانی سید غوث الاعظم ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولاد امجاد سے ہیں۔ اور حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے ہمشیر زادے ہیں۔ اسی لئے یہ خاندان والاشان حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کیطرف منسوب ہوکر اشرفی کہلاتا ہے۔

ولادت سراپا سعادت

اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ کی ولادت سراپا سعادت ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۶ھ کو بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق ہوئی جب سن شریف چار برس چار مہینے اور چار دن کا ہوا تو حسب معمول خاندانی۔

سلسلہ تعلیم

مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی نے جو اہل دل و عارف کامل تھے آپ کی بسم اللہ کرائی۔ اس کے بعد مولوی امانت علی صاحب کچھوچھوی نے فارسی کی درسی کتابیں پڑھائیں۔ پھر سلامت علی صاحب گورکھپوری اور مولوی قادر بخش صاحب کچھوچھوی سے تعلیم پائی۔

منصب خلافت

جب اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ منصب خلافت و سجادہ نشین سے سرفراز ہوئے، تو آپکے استاد مولوی قلندر بخش صاحب نے آپ سے بیعت کی اور فرمایا کہ مجھ کو مدت سے اس دن کا انتظار تھا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے آج میری مراد پوری کی۔

اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ نے سنہ ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر کلاں حاجی الحرمین سید شاہ ابو محمد اشرف حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کر کے خلافت و اجازت خاندانی حاصل فرمائی تھی۔

سنہ ۱۲۸۵ھ میں حضرت سید شاہ حمایت اشرف ابن سید شاہ نقی الدین اشرف بسکھاروی کی دختر نیک اختر سے اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ کی شادی ہوئی۔

سنہ ۱۲۹۰ھ میں حسب ارشاد ارواح بزرگان ایک سال کامل آستانہ اشرفیہ پر حسب قاعدہ مشائخ چلہ کشی فرمائی۔ اس مدت میں بہ برکت روحانی حضرت محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ و بتوجہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ تمام منازل ایقان و عرفان کو اس طرح طے فرمایا کہ آپکی ذات بابرکات سے جہانگیری آثار و انوار ظاہر ہونے لگے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بہت مدت کے بعد اس خاندان میں ایسا شخص صاحب رشد و ہدایت تقدس نہار ظاہر ہوا ہے۔

فضائل و کرامات

آپکے خوارق عادات جو اخلاقی صفات میں مضمر ہیں، کرامتوں کی طرح مشہور ہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے انسانی کمالات نے آپکو پیکر تسخیر بنا دیا تھا، اگرچہ آپکے صفات و برکات بغیر محدود و نا معدود ہیں لیکن بعض امور کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ہندوستان کی مایۂ ناز درسگاہ دار العلوم مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور آپ کی زندہ یادگار ہے، جہاں ہزاروں

علما و فضلا فارغ التحصیل ہو کر ہند و بیرون ہند مسند تدریس و تصنیف پر فائز ہو کر دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۲) آپ سے کبھی کوئی لغزش شرعی نہیں ہوئی

(۳) آپ نے کبھی کسی کے دل کو آزار نہیں پہونچایا۔

اے عارض تو شرح طوبیٰ لمن رآنی
روئے تو ترجمان انوار لامکانی
اے نور چشم حیدر آرام جان قادر
اے شمع بزم اشرف شاہنشہ زمانی
اے مصحف جمالت ایمان اہل بینش
وے آیۂ لقایت تفسیر من رآنی
حسن ازل ز رویت ہر لحظہ جلوہ افگن
آں معنی نہاں را تو صورت عیانی
اے من نثار رویت اے من غبار کویت
تو جان یک جہانی تو یک جہان جانی
نیرنگ در ہوایت صد جاں کند فدایت
او کمترین گدایت تو خسرو جہانی

(۴) آپ نے کبھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو کانوں کو مکروہ معلوم ہو۔

(۵) آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا۔

(۶) آپ نے اپنے دستر خوان کو ہمیشہ وسیع رکھا۔

(۷) اپنے مذہب و مشرب میں مشائخ کی تقلیدی حیثیت کو محبوب رکھا۔

(۸) ارباب حاجت کی حاجت کو رفع کرنا آپ کا حقیقی شعار تھا

(۹) اعراس مشائخ چشتیہ کی شرکت کو ہمیشہ مشاغل خاندانی کی طرح عزیز و محبوب رکھا۔

(۱۰) آپ نے راہ سلوک و تقلید مشائخ میں تشنیع خلائق کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

(۱۱) بھائی بندوں کی محبت، مہمانوں کی عزت آپ کے خصائص تھے۔

یہی وہ محامد و محاسن ہیں جن سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی تعریف و توصیف میں اک زمانہ رطب اللسان نظر آتا ہے، چنانچہ ہم چند مقامات و ممالک کو تحریر کرتے ہیں۔

ہندوستان میں:۔ بنگال۔ مدراس۔ بمبئی۔ کاٹھیاواڑ مارواڑ۔ دکن۔ اودھ۔ پنجاب۔ سندھ۔

بیرون ہند۔ عدن۔ جدہ۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ شام حلب۔ مصر عراق۔

سجادہ نشین

اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ ۱۲۹۶ھ میں مسند سجادہ پر متمکن ہوئے، اور ۸ محرم الحرام کو خرقۂ خاندانی جو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کا عطیہ ہے زیب تن فرمایا۔ چنانچہ ہر سال اسی تاریخ کو خرقہ موصوفہ پہننے کی رسم سعید چلی آرہی ہے۔

علوم باطنی کی تحصیل

اعلیٰحضرت قبلہ و کعبہ نے باطنی علوم کی تعلیم اپنے برادر بزرگ حاج الحرمین سید شاہ ابو محمد اشرف حسین علیہ الرحمہ سے (جنکو علاوہ خاندان اشرفیہ کے تمام مشائخ ہمعصر سے فیض صوری و معنوی حاصل تھا) پائی تھی۔ یہ شغل وجودیہ اور بعض اذکار مخصوصہ کی تعلیم حضرت سید شاہ عمادالدین اشرف اشرفی عرف لکڑ شاہ کچھوچھوی قدس سرہٗ سے پائی حضرت لکڑ شاہ صاحب خاندان اشرفیہ میں مشاہیر مشائخ سے گزرے ہیں۔

اسی طرح دیگر اوراد و وظائف کی اجازت اکثر علماء و مشائخ ہند سے حاصل فرمائی۔ چنانچہ جناب حضرت راج شاہ صاحب ندھوی (ضلع گونڈا کانواں) سے اجازت و خلافت خاندان قادریہ و خاندان زاہدیہ حاصل فرمائی اور تعلیم سلطان الاذکار و شغل محمود اور دیگر اشغال مخصوصہ سے مشرف ہوئے۔ جناب حضرت مولانا شاہ محمد امیر کابلی قدس سرہٗ سے مقام بلیا میں سلسلہ قادریہ منوریہ میں مجاز اور ماذون ہوئے اور تعلیم طریقہ خاص ذکر خفی قلبی جو قلب مدور سے متعلق ہے حاصل فرمائی۔

اس سلسلہ کو سلسلۃ الذہب کہنا چاہئے جو عرفی طور سے چار واسطوں سے شہنشاہ بغداد محبوب سبحانی سید غوث اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے یعنی حضرت سید شاہ ابو احمد علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کو حضرت شاہ محمد امیر کابلی قدس سرہٗ سے حاصل ہوا۔ اور ان کو حضرت ملا اخون فقیر رامپوری قدس سرہٗ سے اور ان کو سلطان المشائخ حضرت مولانا سید شاہ منور الہ آبادی قدس سرہٗ سے جن کی عمر ساڑھے پانچ سو برس کی ہوئی اور آج بھی حضرت موصوف کا مزار پر انوار الہ آباد میں مرجع خلائق ہے جس دربار سے ہزاروں تشنہ کام بامراد و فائز المرام ہو کر واپس ہوتے ہیں۔ ہم کسی آیندہ شمارہ میں حضرت موصوف کی سوانح حیات و فضائل و کرامات کو ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

اور حضرت موصوف کو شاہ دولا قدس سرہٗ اور ان کو محبوب سبحانی حضرت غوث الثقلین سید ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے۔ اسی طرح سلسلۂ اویسیہ اشرفیہ کی تعلیم حضرت سید محمد حسین غازیپوری علیہ الرحمۃ سے حاصل فرمائی۔ اور سید محمد حسن علیہ الرحمۃ کو حضرت شاہ باسط علی قدس سرہٗ سے اور ان کو شاہ عبد العلیم قدس سرہٗ سے اور ان کو شاہ ابو الغوث گرم دیوان قدس سرہٗ سے اور ان کو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ سے اور ان کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

کلام اشرفی

(شیخ المشائخ حضرت سید شاہ اشرفی میاں رضی اللہ عنہ)

چشم جاناں ہے شبیہ چشم آہو ہو بہو
عنبریں ہیں کاکلیں سبز رنگ کے ئو بئو
مست ہوگا ایک عالم مثل آہوئے ختن
اے صبا مت کر پریشاں بوئے گیسوئے بو
عشق سرو قد جاناں میں ہے یہ عاشق کا حال
کر رہا ہے فاختہ کے مثل کو کو کو بکو
قتل کا گر ہے ارادہ دیر کیوں کرتے ہیں آپ
دیکھئے موجود ہے یہ تیغ ابرو روبرو ×

منقبت اشرفی میاں

از عاصم اشرفی صدر بزم اردو بمبئی

کیا بیاں ہو مجھ سے عاصم عز و شان اشرفی
ڈھالتا ہے چاند تارے خاکدان اشرفی
حامیان بندگی ہیں حامیان اشرفی
کیوں نہ ہم ظرف حرم ہو آستان اشرفی
ہے مزین لا الٰہ سے گلستان اشرفی
پھول کی ہر پنکھڑی ہے ترجمانی اشرفی
آنکھ کیا ذرّے پہ اٹھی بن گیا مہر جمیل
جلوہ گر یوں بھی ہوئے طلعت فشان اشرفی
جنبش انفاس میں سجدوں کی اک ترتیب ہے
دل کی دھڑکن میں بھی پاتا ہوں اذان اشرفی
رک نہیں سکتا کبھی وحدانیت کی راہ میں
پا ہی لے گا اپنی منزل کاروان اشرفی
معرفت کی اک تجلی ہے بہ امعان نظر
کوئی پردہ ہی نہیں ہے درمیان اشرفی
سامعہ پر بن چکی ہے ایک تفسیر رموز
ہے حدیث نحن واقرب داستان اشرفی
مہر ہیں مختار تو مہتاب ہیں عبد الغفور
جگمگاتا ہی رہے گا آسمان اشرفی
بے خودی سے ہوش میں نہ عاصم عمر بھر
ایک ایسا جام دے پیر مغان اشرفی

(۱) سجادہ نشین آستانۂ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ کا اسم گرامی
(۲) میرے ولی نعمت اعلیحضرت اشرفی الجیلانی عنہ کے خلیفہ

× اشرفی اللہ بچے ان بتوں کے ظلم سے
آنکھ دکھلانے ہی میں کرتے ہیں جادو دو بدو

حضرت حجۃ الاسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی اہم خصوصیت آپ کا حسن وجمال ظاہری تھا۔ جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہزاروں میں ایک ہوتے۔ ساتھ ہی آپ کا علمی تبحر اس درجہ کا تھا کہ ایک بار اجمیر شریف گئے۔ نثار احمد صاحب متولی تھے۔ مدرسہ معینیہ اجمیر کا معائنہ کرایا اور رجسٹر معائنہ پیش کیا گیا۔ قلم برداشتہ سلیس عربی میں معائنہ تحریر فرمایا۔ جس کو ترجمہ کے لئے اُس وقت صدر مدرس (جو ایک دیوبندی تھے) کو دیا گیا۔ اُنھوں نے ترجمہ کے لئے وقت مانگا۔ اور کہا اس میں ادق عربی لغات ہیں جن کے لئے لغت کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت متولی صاحب نے کہا کہ میرے سامنے مولٰنا نے مختصر وقت میں قلم برداشتہ اسے تحریر فرمایا ہے۔ جس کے ترجمہ کے لئے آپ کافی وقت اور مطالعہ کرنے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام بہت بڑے ادیب تھے۔ فی البدیہہ عربی میں قصائد کہا کرتے۔ آپ کا نعتیہ کلام متفرق ہے۔ یہ نعت کے مہ پارہ جن کے پاس ہوں وہ پاسبان میں شائع کرادیں۔ آپ نے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلیم حاصل فرمائی اور اعلیٰحضرت کے فرمان۔ حامد منی اور انا من حامد۔ کے اعزاز سے نوازے گئے۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی کے آپ بانی ہیں۔ اور یہاں عرصہ تک درس حدیث بھی دیتے رہے۔ شرح عقائد نسفی کو بڑے شوق سے اور خصوصی طور پر پڑھایا کرتے۔ فقیر نے بھی شرح عقائد کے کچھ اوراق حضرت حجۃ الاسلام سے پڑھے۔ دار العلوم کے افتتاح کا بھی عجب واقعہ ہے۔ عرصہ سے حضرت حجۃ الاسلام اور چند بہی خواہان سنیت اس دار العلوم کے افتتاح کے لئے کوشاں تھے۔ مگر اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ منظور نہیں کر رہے تھے۔ اور وجہ یہ تھی کہ اعلیٰحضرت فرماتے کہ ایسا زبردست ادارہ بغیر چندہ کے نہ چل سکے گا اور اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ چندہ کے نام سے بیزار تھے اگر کوئی نذر بھی کرتا تو اعلیٰحضرت کو قبول فرمانے میں بہت تردد ہوتا۔ چہ جائیکہ طلب کرنا۔ اُس وقت ایک سید صاحب کے سپرد یہ کار عظیم ہوا کہ اعلیٰحضرت سے منظوری حاصل کریں اور اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ سادات کا بہت ادب فرماتے اس لئے سید صاحب کو اعلیٰحضرت سے کلام فرمانے میں کچھ جھجک نہ تھی۔ بعد عصر یہ ذکر تھا کہ وہابیت و دیوبندیت پھیلتی جارہی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا اگر روز قیامت خداوند تعالیٰ سوال فرمائے وہابیت کیوں پھیلی تو میں یہ عرض کروں گا کہ مولٰنا احمد رضا خاں نے پھیلائے۔ حاضرین نے کہا۔ یہ کیسے اعلیٰحضرت نے تو ایسا رد فرمایا۔ اور اپنا قیمتی وقت دن رات اسی میں خرچ فرمایا ہے۔ نہ اپنے راحت و آرام کا کچھ خیال فرمایا۔ نہ طلب دنیا کے لئے۔ محض اللہ و رسول کے لئے نہایت محنت و جانفشانی سے تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

سید صاحب نے فرمایا۔ یہ ایسے کہ دیوبندیوں وہابیوں کا مدرسہ قائم ہوا۔ جسے حدیث و قرآن و تفسیر پڑھتا ہوا وہاں گیا اور وہابی ہو گیا۔ اگر سنیوں کا بھی کوئی مدرسہ ہوتا تو وہابیت کو ہرگز یہ ترقی نہ ہوتی۔ بس۔ اُسی وقت اعلیٰحضرت نے مدرسہ کے قیام کی منظوری عنایت فرمائی۔ حضرت حجۃ الاسلام کا عمل حدیث شریف۔ تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ۔ پر تھا۔ جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا مجھ سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ درود شریف بکثرت پڑھتے۔ یہاں تک کہ ایک انکے خاندانی مخالف بیان کرتے تھے کہ چند رات اُن کے یہاں مقیم رہے۔ شب کو دیکھا کہ سوتے میں کچھ کہہ رہے ہیں۔ نزدیک گئے تو

سنا درود شریف پڑھ رہے ہیں اور پھر خواب سے معلوم ہوا سو رہے ہیں۔ شکر کا مرض ہوا۔ غشی کا دورہ کئی کئی گھنٹہ کا ہوتا اور حالت ہزیان یہ ہوتی کہ سر کے اشارہ سے مسلسل نماز دست بستہ پڑھے جا رہے ہیں۔ کوئی کہتا۔ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے اچھا۔ اور پھر تھوڑی دیر میں وہی نماز۔

اپریشن ہوتے اور اس قسم کے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے۔ جس کی نظیر ملنی مشکل و نادر۔ بغیر کلورو فارم کے چیر پھاڑ ہوتی اور نشتر بلا تکلف چلتے۔ داہنے ہاتھ کا انگوٹھا کاٹ دیا گیا۔ مگر کیا مجال کہ اُف بھی فرماتے۔ یا ذرا سی بھی جنبش ہوتی۔ اُدے پور میں ایک ایسے ہی اپریشن پر وہاں کے ایک مشرک ڈاکٹر نے راجہ سے اس کا ذکر بایں الفاظ کیا۔ وہ اپریشن کے وقت اپنے جسم میں نہ تھے بلکہ اپنے مالک کے پاس چلے گئے تھے۔ ہم نے ایک غیر ذی روح جسم میں اپریشن کیا تھا۔ اپنے اور پرائے۔ موافق و مخالف سب ہی اس عظیم صبر و تحمل کے معترف تھے اور بڑے تعجب سے اس کا ذکر کرتے آپ کے حسن و جمال کی تسخیر کے دو شاہکار تو یہی ہیں۔ ایک حضرت مولٰنا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور دوسرے حضرت مولٰنا حشمت علی خانصاحب پیلی بھیتی۔ مولٰنا سردار احمد صاحب ایف۔اے کی طیاری کر رہے ہیں۔ اور مولٰنا حشمت علی صاحب عبدالشکور کاکوری کے مدرسہ میں ہیں۔ ایک نظر حضرت حجۃ الاسلام کو دیکھ لیتے ہیں اور ایسے دیوانہ ہو جاتے ہیں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ۔ سیدھے بریلی اور آستانہ عالیہ رضویہ کے ایسے گوہر آبدار اور شمس و قمر بن جاتے ہیں کہ آج سنیت و رضویت ان پر فخر کرتی ہے۔ اور وہ لائل پور جو پاکستان کا دیوبند اور نجد تھا۔ آج وہاں بریلی کا ایک رخشندہ آفتاب جگمگا رہا ہے۔ جس کی چمک سے سپرہ چشم اندھے ہو رہے ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام اپنے متوسلین کی مجلس میں گھنٹوں مسلسل فضائل سرور کائنات اور رد وہابیت و نجدیت پر تقریر فرماتے رہتے اور لوگ ہمہ تن عالم سکوت میں سنا کرتے۔ جوق در جوق سلسلۂ بیعت و ارادت میں داخل ہوتے۔ لاکھوں کی تعداد میں رضویت کی توسیع حضرت حجۃ الاسلام کی ذات سے ہوتی۔ آپ کا تاریخی نام محمد ہے۔ ۱۲۹۲ھ اور شاید سنہ ۶۲ھ۔ ۱۷ رجمادی اولیٰ تاریخ وفات ہے۔

ایک والی ریاست اعلیٰحضرت سے ملنے کے بہت مشتاق تھے۔ دعوت بھیجی اعلیٰحضرت نے انکار فرما دیا۔ خود آنا چاہا اور معلوم ہوا آ رہے ہیں۔ فوراً اعلیٰحضرت اپنی زمینداری موضع کرتولی میں تشریف لے گئے۔ عمر بھر یہ اشتیاق اُن والی ریاست کو رہا۔ مگر اعلیٰحضرت نے اُن سے ملاقات نہ کی۔ صاف کہہ دیا۔ بئس الفقیر علی باب الامیر۔ آدمی ذی علم تھا جواب بھیجا۔ نعم الامیر علی باب الفقیر۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ میرے یہاں ٹوٹی ہوئی کرسیاں ہیں۔ ایسے بڑے نواب کی شان کے لائق میرے یہاں کوئی چیز نہیں۔ نہ یہاں اُن کی تواضع کے کچھ سامان ہیں غرض اجازت نہ دی اور وہ جب بلا اجازت آنے لگے تو پھر مکان ہی سے چلے گئے۔ جب اعلیٰحضرت کا وصال ہوا تو خانقاہ شریف کی تعمیر کے لئے ستر ہزار روپیہ حجۃ الاسلام کو بھیجا۔ مگر واہ سبحان اللہ سچوں کا سچا جانشین استغنا ہو تو ایسا ہو۔ واپس فرما دیا اور فرمایا۔ جب اعلیٰحضرت نے اپنی حیات میں آپ سے کچھ قبول نہ فرمایا تو اُن کی خانقاہ کی تعمیر میں آپ کا روپیہ میں کیسے قبول کر لوں۔ اس مختصر سے مضمون میں تمام حالات کیسے آ سکتے ہیں پھر بھی کم از کم آپ کے انتقال کا یہ واقعہ ضرور لائق ذکر ہے۔ میں نے خود بہت اموات دیکھیں۔ یہ دیکھا جسم سخت ہو جاتا ہے۔ اور بالکل کی تختہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ اور حجۃ الاسلام کو بچشم خود میں نے دیکھا اور ابھی بہت سے دیکھنے والے موجود ہیں جو اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

حالات حضرت آسی صاحب غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ

(از ادارہ)

تاریخ ولادت ووفات

۹ شعبان المعظم سنہ ۱۲۵۰ھ
تاریخی نام "ظہور الحق"

تاریخ وفات ۲ جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲ فروری سنہ ۱۹۱۷ء اسم گرامی محمد عبد العلیم صاحب المتخلص بہ "آسی" مزار مبارک غازی پور محلہ نور الدین پورہ میں ہے۔ آپ کے والد ماجد قطب العارفین حضرت شیخ قنبر حسین قدس سرہ نسبًا سلسلۂ جدی سے انصاری تھے۔ جد مادری آپ کے اجداد کے بندگی شیخ مبارک تھے جو حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے اور عدن سے سکندر پور ضلع بلیا تشریف لائے تھے جن کا مزار مبارک سکندر پور میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ قاضی پورہ ضلع آرہ کی تھیں جو حضرت مفتی احسان علی صاحب علیہ الرحمۃ کی پوتی تھیں حضرت مفتی احسان علی صاحبؒ حضرت شاہ غلام حیدر صاحب بلیاوی کے اجل خلفاء میں تھے۔ حضرت کی والدۂ محترمہ کا انتقال حضرت کی صغر سنی ہی میں ہو گیا تھا، نانی صاحبہ نے پرورش کی۔ حضرت کی شادی محلہ نور الدین پورہ میں منشی راحت علی صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

حضرت کی تعلیم

ابتدائی کتابیں تو حضرت نے دوسروں کو پڑھتے ہوئے سن کر یاد کر لی تھیں درسیات فرنگی محل کے مشہور علامہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سے پڑھی تھیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ یہ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نصف صفحہ اور ایک صفحہ سے زائد استاد سے نہیں پڑھی۔ نصف سطر یا ایک سطر کا مطالعہ فرمایا کرتے اور اسی میں رات گزر جاتی۔ نصف سطر کے سبق میں چھ سات گھنٹے صرف ہوتے تھے۔ استاد و شاگرد دونوں پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ نصف صفحہ یا ایک صفحہ کے بعد مولانا عبد الحلیم قدس سرہٗ کتاب بند کرا دیتے اور فرماتے کہ اب کتاب ختم ہو گئی، دوسروں کو پڑھاؤ۔

حضرت آسی جس وقت شرح سُلّم پڑھتے تھے تو مطالعہ میں مُلا بحر العلوم کا حاشیہ نہیں دیکھتے تھے۔ مطالعے کے بعد جب حاشیہ ملاحظہ فرماتے تو اکثر یہ ہوتا کہ ملا بحر العلوم سے زیادہ اعتراضات وجوابات پیدا فرماتے۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کا یہ حصہ دیکھ کر مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی درس گاہ کا پرکیف منظر نظروں کے سامنے آجاتا ہے، استاذ محترم مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ اور مجاہد ملت کے درمیان جب کسی الجھے ہوئے مسئلہ پر گفتگو ہوتی تو بسا اوقات دونوں طرف سے آستینیں اٹھ جاتیں اور کئی کئی دن ایک سبق میں لگ جاتے۔ مولوی اسلام مرحوم سنبھلی کی شرح مرقات مجاہد ملت کے یہاں ہوتی تھی۔ مرحوم کے ہم سبق جماعت کی تعداد گیارہ کے لگ بھگ تھی۔ ڈھائی سال مسلسل پڑھنے کے بعد تقریباً ۲۶ صفحہ تک شرح مرقات کا درس ہوا تھا۔

حضرت آسی کی شاعری

حضرت پہلے عاصی تخلص فرماتے تھے پھر بعد میں آسی کر دیا تھا۔ شاعری میں حضرت شاہ غلام افضل کے شاگرد تھے جو ناسخ لکھنوی کے ارشد ترین تلامذہ میں سے تھے۔ ناسخ کا شعر ہے ؎

پھر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

یہ وہی دائرہ شاہ اجمل ہے جہاں کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام اعظم افضل تھے (دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کا قدیمی مشہور دائرہ ہے اس دائرہ میں بڑے نامور شہرۂ آفاق علماء ومشائخ پیدا ہوئے اور اب تک ہیں اور ہر ایک نے اپنے وقت میں ملت اسلامیہ کی خدمات انجام دیں) اور ناسخ شاہ غلام افضل صاحب ہی کے یہاں تشریف رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کی شاگردی کا واقعہ ناسخ کے ساتھ اس طرح پیش آیا کہ جب ناسخ الہ آباد آئے تو حضرت افضل کی ذہانت پر عاشق ہو گئے۔ شاہ صاحب موصوف ایک میاں جی کے شاگرد تھے

جو ہجوگوئی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ میاں جی کے خوف سے ناسخ کی ہمت نہ پڑی کہ شاہ صاحب موصوف کو اپنا شاگرد بنائیں۔ چنانچہ ایک روز حضرت ناسخ پانچ روپیہ کی مٹھائی اور دو سو روپیہ نقد لے کر گئے اور عرض کی میں شاگرد ہونے آیا ہوں، میاں جی بہت ہی مفلوک الحال تھے دو سو روپیہ کی رقم پاکر بہت خوش ہوئے جب وہ نذرانہ قبول کر چکے تو ناسخ نے دست بستہ عرض کی کہ افضل کو مجھے دیدیجئے۔ میاں جی نے فرمایا کہ تم نے بڑا دھوکا دیا کیونکہ وہی تو مجھے ایک لڑکا ملا ہے ؎

قہر درویش بر جان درویش افضل کو ناسخ کے حوالہ کر دیا۔

حضرت افضل کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ کبھی مشاعرے میں پہلے سے غزل نہیں کہتے تھے عین مشاعرہ کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور خانقاہ اجملیہ میں دو کاتب دونوں سرے پر بیٹھ جاتے، شاہ صاحب ٹہلتے جاتے اور ایک سرے پر پہونچ کر ایک کو شعر لکھاتے اور دوسرے سرے پر دوسرے کو اسقدر جلد شعر فرماتے تھے کہ دونوں کاتب بدقت شعر لکھ پاتے۔

ایک مرتبہ ناسخ کے دوران قیام الہ آباد میں کچھ اساتذہ لکھنؤ سے آئے تھے، خانقاہ اجملیہ میں مشاعرہ ہوا، طرح کی زمین پتھر چاندنی خنجر چاندنی تھی۔ لکھنؤی حضرات میں کسی کے شعر میں عین تقطیع سے گر گئی تھی، شاہ صاحب نے ان سے آنکھ لاکر یہ شعر پڑھا ؎

عین برقعہ سے نکالے گر وہ شوخ نازنیں
حسن پر نازاں ہو پھر کیا خاک پتھر چاندنی

ایک مرتبہ شاہ صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے تو ناسخ کی اجازت سے آتش سے ملاقات کی۔ رسم تعارف کے بعد شاہ صاحب نے آتش سے غزل سنانے کی فرمائش کی۔ آتش نے یہ مطلع پڑھا۔

حسن سے قدرت خدا کی رو نظر آیا مجھے
ریش پیغمبر ترا گیسو نظر آیا مجھے

شاہ غلام اعظم صاحب نے لاحول پڑھا آتش خاموش ہو گئے پھر کوئی شعر نہیں سنایا واپس آئے تو ناسخ سے قصہ سنایا۔

حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ جب شاہ غلام اعظم کے شاگرد ہوئے تو ابتدا میں چند غزلوں پر اصلاح پڑی بعد میں شاہ صاحب یہ لکھ کر واپس کر دیتے تھے کہ کہیں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے، ایک مرتبہ حضرت آسی نے یہ طرح بھیجی تھی جس کا قافیہ ردیف "مکان پر" "امتحان پر" تھا کسی نے شاہ صاحب سے یہ کہدیا کہ حضرت آسی نے یہ طرح آپ کے پاس امتحان کے لئے بھیجدی ہے جس پر شاہ صاحب خفا ہو گئے اس واقعہ کا اشارہ شاہ صاحب کے پاس اس مطلع میں موجود ہے۔

احباب مستعد ہیں میرے امتحان پر
پہونچے گی اس غزل کی زمین آسمان پر

لیکن جب آسی نے ملاقات کی تو شاہ صاحب کا دل صاف ہو گیا اسی ردیف و قافیہ کا دوسرا شعر ہے۔

پہنچا ہے عرش پر تن خاکی مصطفےٰ
کس شان سے زمین گئی آسمان پہ

حضرت آسی فرماتے تھے اب اس سے بہتر کوئی "زمین آسمان پر" نہیں جا سکتی۔

حضرت آسی کے تلامذہ

حضرت آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی جن میں مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی، مولوی عبدالصمد صاحب رئیس وکیل غازی پوری حکیم سید محمد غازی پوری مولوی احمد حسین لبیب سکندر پوری بہت ممتاز تھے۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کو ناسخ سے افضل نہ سمجھو تو ان سے کم بھی نہ سمجھو، اور لبیب سکندر پوری کے بارے میں فرماتے تھے کہ واقعی اسم با مسمیٰ ہیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے لبیب کو زبردستی ممبر پر بٹھا دیا اور مجبور کیا مرثیہ پڑھو۔ لبیب نے حضرت آسی کی ایک غزل میں ایک ایک دو دو لفظ کی تبدیلی کر کے برجستہ سلام پڑھ دیا۔ حضرت کا مطلع یہ تھا ؎

قصر دل میں جب کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی رفعت کہ بام عرش تہ خانہ ہوا

لبیب نے اس کو اس طرح پڑھا ؎

مجرئی جب قصر دل میں شاہ کا آنا ہوا
یہ ہوئی رفعت کہ بام عرش تہ خانہ ہوا

حضرت صغیر بلگرامی جو مومن کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ڈومراؤں ضلع آرہ میں رہتے تھے۔ حضرت سے چشمک رہا کرتی تھی۔ ان کی طرف سے ایک طرح دی گئی جس کی زمین "آتے ہیں کیوں، جاتے ہیں کیوں" تھی حضرت کے پاس مصرعہ طرح غلط بھیجا گیا اور زمین "آتا ہوں کیوں، جاتا ہوں کیوں" بتائی گئی۔ حضرت جب مشاعرہ میں پہونچے تو غلط طرح پہونچنے کا علم ہوا، یہ حرکت گراں گزری اور جو غزل گھر سے غلط طرح میں کہکر آگئے تھے اس کو غیر طرح کہہ کے پڑھ دی جس کا مقطع یہ ہے ؎

طرح مصرعہ ہوا ہے جمع کے صیغے کے ساتھ
میں غزل مفرد میں اے آسی پڑھے جاتا ہوں کیوں

اور اس کے بعد برجستہ طرح میں غزل پڑھنا شروع کر دیا جس میں کہیں کہیں اپنے مخالفین پر چوٹ بھی کرتے جاتے تھے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

شمع کے مانند ہے اپنا بھی کیا سوز و گداز
صورت پروانہ دشمن ہم سے جل جاتے ہیں کیوں

حضرت آسی کے کلام میں کہیں کہیں تلمیح طلب اشعار بھی ہیں مثلاً۔

پل بھی ہے فخر جونپور آسی
خواب گاہ جناب شیخو ہے

حضرت شاہ شیخو مجذوب سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ تھے، قطب الاقطاب حضرت محمد رشید جونپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب خانقاہ رشیدیہ و مصنف مناظرہ رشیدیہ کے دوست اور معاصر تھے، جونپور کا پل انھیں کی دعا سے بنا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ اکبر بادشاہ جونپور دورہ پر آیا تھا، شام کو دریا کی سیر کے لئے کشتی پر نکلا، دریائے گومتی بہت جوش پر تھا، دیکھا کہ ایک عورت دریا کے کنارے بیٹھی رو رہی ہے، دریافت کیا، عورت نے کہا کہ میں اپنا شیر خوار بچہ اس پار چھوڑ کر شہر میں کچھ ضرورت سے آئی تھی، اب کھیو بند ہو گیا ہے میرا بچہ رات بھر بغیر دودھ کے تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ اکبر نے اپنی کشتی پر اس عورت کو بٹھا کر اس پار اتار دیا۔ اور منعم خاں خانخاناں کو حکم دیا کہ اس جگہ پل بنواؤ۔ منعم خاں خانخاناں نے جب کاریگروں کو پل بنوانے کا حکم دیا تو کاریگروں نے کہا کہ اس جگہ بہت بڑا کنڈ ہے، یہاں پر پل نہیں بن سکتا۔ اس کنڈ کو روپیوں سے پاٹ دیجئے جب پل بنے گا مقصد یہ تھا کہ بہت کثیر روپیہ خرچ ہوگا۔ خان خاناں آمادہ ہو گئے پہلے کاریگروں نے خشکی میں پانچ طاق کا ایک پل بنایا اور دریا کو کاٹ کر اس طرف لے گئے پھر بھی اس جگہ پل نہ بن سکا۔

خان خاناں خود ٹوپی سی کر اس کی قیمت سے روٹیاں کھاتے تھے، اسی مال حلال سے دو چار روپیہ ان کے پاس موجود تھے، اسی روپیہ سے اولیاء اللہ جونپور کی دعوت کر دی۔ کھانا کھانے کے بعد خان خاناں نے دست بستہ عرض کی کہ آپ لوگ دعا فرمائیں کہ اس جگہ پل بن جائے۔ حضرت شاہ شیخو نے دعا کی بقیہ اولیاء اللہ نے "آمین" کہی، اس کے بعد کاریگروں نے جو اینٹ جہاں رکھی وہ ہلنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ جس جگہ ان بزرگوں نے دعا کی تھی خان خاناں نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرا دی تھی جس کا نام "مستجاب الدعوات" ہے۔ یہ مسجد پل کے شمالی حصہ سے پورب نیچے اتر کر چالیس پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس پل کا مادۂ تاریخ "صراط المستقیم" ۹۸۱ھ ہے پل کے استحکام کا یہ حال ہے کہ سنہ ۱۸۷۱ء میں ایسی زبردست باڑھ آئی تھی کہ دریا کا دھارا پل کے اوپر جو کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں ان کی برجوں سے اوپر بہتا تھا۔ شاہی زمانے کی چار کوٹھریاں وسط پل میں ہیں اور بقیہ کوٹھریاں انگریزی زمانے کی ہیں، اس طوفان کے سیلاب میں بھی پل کی ایک کنکری بھی کہیں سے نہیں نکلی۔ انگریزی کوٹھریاں سب بہہ گئی تھیں۔ (اخبار کی حالیہ اطلاع ہے کہ سنہ ۱۸۷۱ء کے بعد سنہ ۱۹۵۵ء میں دوسرا تباہ کن سیلاب آیا)

حضرت شاہ شیخو مجذوب اس مسجد میں گدڑی پہنے بیٹھے رہتے اور لرزہ سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے۔ جب کوئی ملنے کے لئے آپ کے پاس آتا تو گدڑی اتار کر رکھ دیتے اور فرماتے کہ اے جاڑے اس گدڑی میں چلا جا گدڑی کانپنے لگتی اور خود بیٹھ کر باتیں کرتے جب وہ شخص چلا جاتا تو گدڑی پہن لیتے اور کانپنے لگتے۔ حضرت شاہ شیخو

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار پاک دروازہ مسجد سے متصل زیارت گاہ خلائق ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی مقصود یہ ہے کہ حضرت آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی شعر و شاعری سے کافی ہم آہنگ رہی۔ حضرت کا کلام معائب سخن سے بالکل پاک ہے۔ مجاز کے انداز میں حقیقت کی پردہ داری جس انداز سے فرمائی وہ حضرت آسیؔ ہی کا حق ہے۔

لطیفہ:۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت حال کے انکشاف کے لئے ایک رباعی حلقۂ مریدین میں ارشاد فرمایا

رباعی:۔

چار یاران نبی میں آسیؔ　　تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلب راہ خدا میں لیکن　　پیروی حیدرِ کرّار کی ہے

اس رباعی کے سننے کے بعد حلقۂ مریدین میں سے ایک چہیتے مرید نے عرض کیا کہ سرکار آپ کے بعد شیعہ حضرات اگر اس رباعی سے غلط فائدہ اُٹھانا چاہیں تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔ حضرت آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ کیا اس وقت انکشاف حقیقت کے لئے ہمارا یہ شعر کہ

یا نبی جائے نشینی کے لئے آپ کے بعد
لوح محفوظ میں تھا کون سوائے صدیق رضؓ

پیش کرنے میں تمھیں کیا جھجھک ہوگی۔

حضرت آسیؔ اپنے زمانے کے خدا رسیدہ اور ولی کامل بزرگ تھے۔ آج بھی بہت سے علمائے اہلسنت یہ فرماتے ہیں کہ اس آخری دور میں حضرت آسیؔ نے تصوف کی لاج رکھ لی۔ مسائل تصوف پر جس حسن سلوک سے اظہار خیال فرمایا ہے اس سے آپ کا دیوان بھرپور ہے، مختلف فیہ مسائل میں بھی حضرت آسیؔ امام اہلسنت کے دوش بدوش تھے۔

حضرت آسیؔ کی شاعری کوئی عامیانہ شاعری نہ تھی بلکہ فن شاعری کے ایسے اصولوں کی بھی پابندی فرماتے تھے، جس پر دوسرے اساتذہ کا چلنا دشوار تھا۔ کبھی کبھی غالبؔ اور مومنؔ وغیرہ کی غزل پر طبع آزمائی فرماتے تھے مثلاً غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے ؎

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

حضرت آسیؔ کا مطلع ملاحظہ ہو ؎

وائے محرومی یہاں شوقِ شہادت دل میں ہے
جوشِ آبِ زندگانی خنجر قاتل میں ہے

دوسرا شعر:۔

پھر وہی دل کی طلب ہے ان کو شرم آتی نہیں
خاک کر ڈالا جلا کر دل کو اب کیا دل میں ہے

مومنؔ کا شعر ہے ؎

آنکھیں جو ڈھونڈتی تھیں نگہ ہائے التفات
گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا

حضرت آسیؔ نے اسی مضمون کو اس پیرائے میں ادا کیا ؎

پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا
سرجوش ذوق وصل تمنا کہیں جسے

حضرت آسیؔ بہتر اصلاح فرماتے تھے۔ سڑک سے درگاہ تک حضرت نے ایک سڑک اور پل بنوایا تھا۔ حضرت شمشادؔ نے تاریخ کہی۔ ع

"پلے مطاع زیارت گہہ رشید آباد"

حضرت نے سننے کے بعد برجستہ فرمایا کہ مولوی صاحب پلے کی "ی" کو نکال کے مطاع کے "ع" کو "ف" سے بدل دیجیے، اب مصرعہ یوں ہوا ع

"پل مطاف زیارت گہہ رشید آباد"

اہل فن حضرات سمجھ سکتے ہیں کہ اب مصرعہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اب مناسب یہ ہے کہ حضرت آسیؔ کے دیوان سے چیدہ اشعار آپ حضرات کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دیئے جائیں۔

۱۔ میری آنکھیں اور دیدار آپ کا
یا قیامت آگئی یا خواب ہے

۲۔ عجب حسرت سے آسیؔ کہہ رہا تھا کل مدینے میں
شفاعت ہوگی پہلے حشر میں یا مصطفےٰ کس کی

۳۔ جھومتا جاتا ہے آسی حشر میں
عاشقانِ سرورِ عالم کے ساتھ

۴۔ کسی در پر پڑا رو رو کے آسی رات کہتا تھا
کہ آخر میں تمھارا بندہ ہوں تم بندہ پرور ہو

۵۔ کہاں جُبہ کہاں چھینٹے شراب ناب گلگوں کے
کہو آسی یہ کیا دھبا لگایا پارسائی میں

۶۔ اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

۷۔ پوچھتے ہو شہ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

۸۔ وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں
کہاں ہے آسی بے دل ہمارا

۹۔ اصل فتنہ ہے قیامت میں بہار فردوس
جز ترے غیر نہ چاہے مجھے وہ دل دینا

۱۰۔ ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ
دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گذر ہے

۱۱۔ میں وہیں سمجھا ملی جب کسرت آدم مجھے
عالمِ غم میں بنایا مرکزِ عالم مجھے

۱۲۔ بے حجابی یہ کی ہر ذرہ میں جلوہ آشکار
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

۱۳۔ حرص دولت کی نہ عزّ و جاہ کی
بس تمنا ہے دل آگاہ کی

۱۴۔ درد دل کتنا پسند آیا اُسے
میں نے جب کی آہ اُس نے واہ کی

۱۵۔ بیکاران یار دیکھئے کس پہ کرم کرے
دل اس طرف، جگر ادھر امید وار ہے

۱۶۔ آخر اک اے گل تر تجھ کو مرجھانا پڑا
اس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

تاریخ وصال

۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ بروز اتوار ایک بجکر بیس منٹ پر داعی اجل کو لبیک فرما کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کا عرس مبارک ۲ر جمادی الاولیٰ کو شہر غازی پور محلہ نورالدین پورہ میں مزار مبارک پر ہوا کرتا ہے۔ وصال کی تاریخیں بہت سے لوگوں نے کہیں۔ مولوی محمد احمد صاحب آئین سکندر پوری نے "لقد رضی اللہ عنہ" ۱۳۳۵ سے تاریخ نکالی اور سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی شاہد علی عرف شاہ سبز پوش رحمۃ اللہ علیہ حسب ذیل تاریخ فرمائی۔

شد جہاں بے او بچشم من سیاہ
محو ذات اللہ حلیم پاکباز
۱۳۳۵ھ — ۷ — ۱۳۴۲ھ

سوانح صدر الشریعہ

مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نسب نامہ:۔ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولینا امجد علی ابن مولانا حکیم جمال الدین ابن مولینا خدا بخش ابن مولینا خیر الدین۔

خاندان:۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے آباؤ اجداد اہل علم و فضل تھے۔ آپ کے والد بزرگوار علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد طبابت کیا کرتے تھے۔ دادا بزرگوار جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں شیخ الدلائل سے دلائل الخیرات کی اجازت حاصل کی تو اس اجازت نامہ میں مولانا خدا بخش علیہ الرحمہ کو عالم و فاضل تحریر فرمایا ہے۔ مدینہ منورہ کے علماء کے نزدیک یہ مرتبہ وفور علم پر دال ہے۔ یہ حضرت ایک صاحب کرامات بزرگ تھے اور کریم الدین پور والے ان کی کرامات بیان کیا کرتے ہیں۔

بچپن:۔ بچپن میں آپ کے زمانہ طفولیت کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ البتہ ہم عمر بعض دوستوں سے سنا کہ لڑکپن میں کھیل کود وغیرہ کے شائق نہ تھے جیسے کہ اور لڑکے ہوا کرتے ہیں۔

طلب علم:۔ ابتدائی کتابیں اپنے دادا مرحوم سے پڑھیں اس کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم بانی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور سے فنون و علوم کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری ثم جونپوری علیہ الرحمہ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔ پھر انہیں کے مشورہ سے آپ نے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ سے بلاواسطہ اسباق شروع کئے۔ تحصیل علم کے زمانے کے بعض کوائف خود ہی بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دن میں استاذ علیہ الرحمہ سے اسباق پڑھتے اور رات میں ان کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے لیکن یہ خدمت بڑی بابرکت ہوا کرتی۔ ہم لوگ استاذ علیہ الرحمہ کے پیر دباتے رہتے اور استاذ علیہ الرحمہ ان کے اسباق کے متعلق دریافت فرماتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام اسباق کا اعادہ ہو جاتا اور اگر کوئی فروگذاشت ہوتی ہوتی تو حضرت استاذ علیہ الرحمہ کی ہدایت سے وہ یاد ہو جاتی۔ اسباق پڑھنے کے زمانہ میں استعداد اتنی اعلیٰ تھی کہ اگر قطبی پڑھتے تھے تو شرح تہذیب نہایت آسانی سے دوسرے طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔ اسی طرح پڑھنے کے زمانے ہی میں پڑھانے کا اور تعلم کے زمانے میں تعلیم و تدریس کا ذاتی تجربہ خوب حاصل ہو گیا تھا۔ اور اس طریق تعلیم و تعلم کا یہ نتیجہ لازمی تھا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اندر افہام و تفہیم کا ملکہ بھی راسخ تھا۔

زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہم لوگ جونپور کے بازار میں خریداری کے لئے گئے کوئی سامان خریدا۔ اس زمانہ میں وہاں دلالی کا کام روافض کرتے تھے۔ یہ اپنا سامان خریدنے میں مصروف تھے۔ دلال آکر کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے سامان خریدنے کے بعد دکاندار کو قیمت ادا کر دی۔ تو دلال آگے بڑھ کر بولا۔ ہمارا

کمیشن دے دیجئے۔ فرمایا کہ یہ چیزیں ہم نے خود خریدی ہیں۔ تمھیں کمیشن کیوں دیں۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی کی نوبت آگئی۔ چونکہ خود حق پر تھے اس لئے دلالوں کی پوری مرمت کی۔ جب وہاں سے مدرسہ لوٹے تو اب تشویش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت استاذ کو اطلاع ہوگی تو بہت ناراض ہوں گے، لیکن جب استاذ کے سامنے گئے اور استاذ علیہ الرحمہ کو پہلے ہی معاملہ کی پوری اطلاع پہونچ گئی تھی، بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت اچھا کیا۔ اگر تم پٹ کر آتے تو میں تم کو مدرسہ میں نہ آنے دیتا۔

مدرسہ حنفیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر پھر دورۂ حدیث شریف کی تحصیل کے لئے حضرت استاذ الاساتذہ شیخ المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں شہر پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ احادیث کی تکمیل کے بعد فن طب جو آبائی پیشہ تھا اس کے حاصل کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ حکیم حافظ مولوی عبد الولی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

پٹنہ کی زندگی کے متعلق بعض باتیں فرمایا کرتے تھے افسوس کہ قلم بند نہ ہونے کی وجہ سے حافظہ سے نکل گئیں۔

اعلیٰ حضرت کے دربار میں:— اسی دوران میں بریلی شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مجدد مأۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ آپ کے شفیق استاذ جوہر شناس حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اس خدمت کے لئے آنجناب کا نام نامی و اسم گرامی پیش فرمایا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اس وقت تک حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کا شرف قرب حاصل نہ کیا تھا۔ اور شاید اس سے پہلے زیارت بھی نہیں کی تھی۔ استاذ کے حسب الحکم پٹنہ کا مطب چھوڑ کر سیدھے بریلی شریف آگئے۔

ابتداءً بریلی شریف میں درس کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد مطبع اہلسنت کے لئے مستعد ناظم و مہتمم کی ضرورت پڑی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے یہ کام بھی حضرت ہی کے سپرد کیا۔ اعلیٰ حضرت کی پوری حیات طیبہ میں یہ کام سرانجام دیتے رہے اور بعد وصال یہ کام اس وقت چھوڑا جب کہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ کی صدر مدرسی کے لئے اجمیر شریف روانہ ہوئے۔

بریلی کی زندگی کے واقعات بیان فرماتے ہوئے کئی دفعہ فرمایا کہ صبح نماز فجر سے لے کر رات کے بارہ بجے تک اور کبھی ایک بجے تک مسلسل کام ہوا کرتا تھا۔ صبح سویرے سے مدرسہ کا کام دوپہر کو پریس کی نگرانی اور پارسلوں کی روانگی اور کاپیوں کی تصحیح پریس مینوں کو ہدایات وغیرہ، بعد دوپہر نماز ظہر تک تدریس، بعد عصر سے مغرب تک اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے یہاں سوالوں کے جواب تحریر کرتے، بعد مغرب کھانا تناول فرما کر عشاء تک مطالعہ فرماتے: بعد عشاء سے رات کے ۱۲ بجے ایک بجے تک پھر پریس وغیرہ کا کام کرتے تھے، اس زمانہ میں کام اتنا کرتے تھے کہ معاصرین اور مشاہدین کا بیان ہے۔

(خصوصًا ماموں جان مولانا امجد رضا خاں صاحب جو حضرت حجۃ الاسلام و حضرت مفتی اعظم کے ماموں جان تھے اور بریلی کے تمام لوگ انھیں ماموں جان ہی کہا کرتے تھے اور ہم لوگ بھی انھیں ماموں جان ہی کہتے تھے۔ ہاں تو ماموں جان فرماتے تھے) کہ مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں۔

کام کے سلسلہ میں کبھی اگر کوئی معمولی سی بھی فروگذاشت ہوتی تو اعلیٰ حضرت کی طرف سے خفگی بھی ہوا کرتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہابیت دیوبندیت، نیچریت، رافضیت اور دیگر فرقوں کے رد میں روزانہ نئے رسائل اشتہار پرچے شائع ہوتے اور پھر ہندوستان کے اطراف و جوانب میں روانہ کئے جاتے، ایسے عظیم کاموں کی موجودگی میں کوئی نہ کوئی کام چھوٹ بھی جاتا۔ ادھر اعلیٰ حضرت کی نگاہیں ہر کام کی خود نگرانی فرماتیں تو اگر کوئی فروگذاشت ہوتی سخت تنبیہ فرماتے ایک دن کسی معاملہ پر سخت تنبیہ فرمائی، بعض حاسدین (خدا ان کو نیک

فرمائے) نے اس بات کا بہت پروپگنڈا کیا۔ اعلیٰ حضرت کو جب خبر ملی۔ تو غالباً بعد عصر جب سب ہی لوگ موجود تھے حضرت صدر الشریعہ کی بڑی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں ان پر کسی فروگذاشت پر مواخذہ کرتا ہوں تو یہ بھی خلوص اور محبت ہی سے ہوتا ہے۔ عتاب ہمیشہ خاص احباب ہی سے ہوا کرتا ہے۔ حضرت مولینا امجد علی صاحب کی میری نظروں میں بڑی وقعت ہے۔ یہ بات سن کر تمام لوگوں پر حضرت صدر الشریعہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اور سلسلہ میں داخل ہوئے اس کے بعد خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی۔ لیکن فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ ہے سب آپ ہی کا فیض کرم ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن بھی حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل کوششوں کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ حضرت وعدہ فرماتے لیکن بعض وجوہ کے سبب اس میں تاخیر ہوتی رہی۔ ایک دن قلم دوات کاغذ لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور عرض کی کہ حضور ترجمہ شروع ہو جائے۔ چنانچہ اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ ترجمہ کا طریقہ ابتداءً یہ تھا کہ ایک آیت کا ترجمہ ہوتا اس کے بعد تفاسیر سے اس کی مطابقت سب لوگ دیکھتے اور حیران ہو جاتے کہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے ایسا برجستہ اور مناسب ترجمہ جو تمام تفسیروں کے مطابق یا اکثر و بیشتر کے مطابق ہے کس طرح ہوتا ہے۔ بس یہ خدا کا فضل و احسان و انعام ہی تھا۔

اس کام میں قدرتاً بہت دیر لگتی اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ میں ایک رکوع کا پورا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد اس کی تمام تفسیروں سے مطابقت آپ لوگ تلاش کریں۔ ترجمہ اور تفسیروں میں مطالعہ کا کام بہت زیادہ رہا کرتا تھا۔ اس لئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کسی دن بھی رات کے بارہ بجے سے قبل مکان پر واپس نہ آتے کسی کسی دن رات کے دو بجے تک بھی دیر ہو جایا کرتی۔ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اتنی دیر کرنے پر بھی تمہاری والدہ بیٹھی انتظار کیا کرتی تھیں، جب میں آتا تو کھانا گرم کر کے اور روٹی سینک کر مجھ کو کھلاتیں پھر کھاتیں۔ میرے بار بار منع کرنے پر بھی انھوں نے اپنا یہی رویہ رکھا۔ غرض بڑی عظیم الشان کامیابی حضرت صدر الشریعہ کی یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ کرا لیا۔ آج اردو کے موجودہ تراجم میں کوئی ترجمہ بھی کسی حیثیت سے اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔

یہاں مولوی اشرف علی اور مولوی محمود الحسن اور مولوی مودودی اور مولوی ابو الکلام آزاد وغیرہم کے تراجم موجود ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً سب سے موازنہ جاری رہتا ہے۔ لیکن ہر مقام پر خدا کے فضل و کرم اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمہ تمام ترجموں پر فائق ہے۔

جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو کسی مناظرے کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تھا تو آپ کو بسا اوقات بھیجا کرتے تھے۔

ایک زمانے میں مولوی اشرف علی دیوبندیوں کے حکیم الامت نے برما کے علاقہ میں جا کر بڑا فتنہ پھیلایا تھا۔ اس کی سرکوبی اور دفع فتن کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو برما بھیجا لیکن وہابیہ کو مقابلہ کی تاب نہ ہوئی اور وہاں سے فرار ہو گئے۔ افتاء کا خاص کام جو بہت اہم تھا حضرت صدر الشریعہ کے سپرد تھا۔ اکثر فتاوے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ املا فرماتے اور آپ تحریر کرتے، بعض اوقات خود فتوی لکھ کر لے جاتے بریلی شریف کے عرس کے موقع پر ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا تو بڑی فکر دامن گیر ہوئی کہ اب فتاویٰ کی قطعی صحت اور اصلاح کا کام کون کریگا چنانچہ اس فکر میں سو گیا، خواب میں دیکھا کہ میں پھاٹک میں (کاشانۂ اعلیحضرت علیہ الرحمہ) کھڑا ہوں، اور میرے ہاتھ میں بہت سے فتاویٰ ہیں۔ حضرت دولت خانہ

سے تشریف لائے درفتاوی میرے ہاتھوں میں دیئے۔ اور فرمایا ہم اسی طرح آتے رہیں گے"۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے یقین ہوا کہ میرے فتاوے پر اعلیحضرت علیہ الرحمہ کی باطنی نظر برابر رہے گی اور جب بھی میں نے کوئی فتویٰ ترتیب دیا تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا خاص کرم شامل حال رہا تو یقین ہے کہ میرا کوئی فتویٰ غلط نہیں بلکہ ہر فتویٰ شریعت کے مطابق ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد چند برس تک حضرت بریلی میں قیام پذیر رہے اس کے بعد دار العلوم معلیٰ عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر مقدس کی صدارت کی جگہ خالی ہوئی۔ دار العلوم کے معتمد جناب سید نثار احمد صاحب مرحوم نے حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب علیہ الرحمہ سے اس جگہ کے لئے موزوں عالم منتخب کرنے کی درخواست کی۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ جو صدر الشریعہ کے استاذ بھائی اور شفیق دوست اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خاص معتقد تھے انھوں نے معتمد صاحب کے سامنے حضرت کا نام پیش کیا۔ اور معتمد صاحب کی درخواست پر خود بریلی شریف تشریف لا کر اور حضرت صدر الشریعہ کو وہاں سے چلنے پر مجبور کیا۔ حضرت اپنے شیخ کا آستانہ اور جامعہ رضویہ مدرسہ اہل سنت کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ مولانا حامد رضا خاں صاحب کے اجازت دینے پر اجمیر شریف تشریف لیگئے یہ غالباً ۱۳۴۳ھ کا واقعہ ہے۔

دار العلوم معلیٰ عثمانیہ میں تشریف لانے کے بعد وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ شروع شروع زیادہ تر تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں پڑھائیں، جب وہاں کے بعض مدرسین نے یہ پروپگنڈا کیا کہ ان کی فقاہت و دینیات میں بالغ نظری تو ہم کو مسلم ہے لیکن منطق و فلسفہ میں ہم سے یہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو صحیحین اور بیضاوی کے علاوہ عموماً منطق و فلسفہ کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھانے لگے۔ ادھر مدرسین نے طالب علموں کو اعتراض لکھا کر اور مشق کرا کر بھیجنا شروع کر دیا۔ تو فرمایا کہ تم طلبہ ہو تم کو جو لوگ اعتراض لکھا کر بھیجتے ہیں ان کو بھیجو، وہ آکر اعتراض کریں اور جواب سنیں اور پھر علمی ذوق کا لطف آئے۔ آخر ش ان لوگوں نے اپنی ناکامی کو محسوس کر لیا۔ اور حسد کی وجہ سے اس دار العلوم سے استعفیٰ داخل کر کے مولانا معین الدین صاحب اجمیری کے دار العلوم میں مدرسی اختیار کر لی۔ اجمیر شریف کے دوران قیام میں تعلیم کا بہت اعلیٰ معیار جاری فرمایا۔ اور طلبہ کی وہ تربیت کی جس کی نظیر عام عربی مدرس میں معدوم یا کالمعدوم تھی۔

تعلیم کا وہ معقول انتظام تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ صبح سویرے مدرسہ میں تشریف لاتے اور جب عام مدرسین کا مدرسہ کا وقت ختم ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے گھر چلے جاتے تو خاص خاص اسباق اس وقت بھی پڑھایا کرتے تھے، تقریباً ۱۲ بجے تک گرمیوں کے موسم میں درس دیتے اور بعد ظہر وہاں چھٹی رہا کرتی تھی، لیکن حضرت کے مکان پر درس کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہتا۔ ظہر سے عصر تک یہ سلسلہ چلتا، اس کے بعد درگاہ معلیٰ میں نماز عصر پڑھا کر مولوی رام پوری مرحوم کے پاس جن کی نشست جھالرہ پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے پائیں جانب آپ کے صاحبزادوں کے مزار کے پاس ہوتی، بیٹھ جاتے اس جگہ علمی مذاکرہ اور دینی ابحاث کا سلسلہ نماز مغرب تک جاری رہتا۔ بعد نماز مغرب مکان پر تشریف لاتے۔ سردیوں کے موسم میں جب دونوں وقت مدرسہ ہوتا تو بھی بعد نماز عصر تک درس دیتے اور بقیہ معمولات اسی طرح تھے۔ اجمیر شریف کے قیام کے آخری زمانے میں جسم کے بڑھ جانے (بدانت) کی شکایت پیدا ہونے پر اطبا کے مشورے سے بعد نماز عصر دولت باغ میں بارہ دری پر اناساگر کے سامنے ٹہلنے کیلئے چلے جاتے۔ اس سیر و تفریح میں اکثر و بیشتر مولانا سردار احمد صاحب ہمراہ ہوتے اور راستہ بھر کوئی علمی کتاب ہاتھ میں لئے ہوتے، کتاب کا درس بھی جاری رہتا اور تفریح و سیر بھی ہوتی تھی۔

جمعہ کا دن تعطیل کا ہوتا تھا۔ لیکن اس دن صبح سے لے کر دس گیارہ بجے تک مجلس تقریر و مناظرہ منعقد ہوتی۔

آج کے اکثر مقررین اور واعظین اس زمانے کے تربیت یافتہ

ہیں۔ اسی زمانے میں مولانا سردار احمد صاحب حافظ عبدالعزیز صاحب اور مولانا رفاقت حسین صاحب اور مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی وغیرہم کے مناظروں اور تقریروں کے متعلق دلچسپیاں اور نوک جھونک خوب ہوا کرتی تھی۔ مقررین کی اصلاح اور نقد و تبصرہ بھی فرمایا جاتا۔ مثلاً ایک مقرر نے تقریر کے درمیان وضو کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ اس کی وجہ سے پھوڑے پھنسیاں نہیں ہوتیں تو آپ نے ازراہ مزاح فرمایا کہ مولوی سردار احمد صاحب تو پھر کبھی وضو ہی نہیں کرتے اس لئے کہ ان کو اکثر اس زمانہ میں پھوڑے نکلا کرتے تھے۔ خصوصاً پیشانی پر ایک پھوڑا نکلا تھا جس کی وجہ سے اب تک ان کی پیشانی پر نماز کا گھٹہ ہو گیا یہ دراصل پھوڑا تھا جو سجدہ کرنے کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ اکثر مقررین اما بعد فقد قال اللہ... کے بعد فاعوذ باللہ بسم اللہ پڑھا کرتے تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں اعوذ باللہ فرمایا ہے۔

اما بعد فاعوذ باللہ کہا کرو۔ ایک شخص نے وانا علیٰ ذٰلک من المومنین والامینن المطمئنین پڑھا تو فرمایا کہ ایمان کا صلہ ب آتا ہے علیٰ نہیں آتا غرض علمی و عملی طریقے اور اعلیٰ معیار خطابت کی ظاہر تعلیم آپ کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے بعد سلسلہ درس و تدریس و تربیت طلبہ دادوں ضلع علی گڈھ میں بھی جاری رہا۔ اجمیر شریف میں آپ کا قیام ۱۹۳۲ء تک رہا۔ غالباً ۱۹۳۳ء کے شروع میں آپ نے اجمیر شریف کو چھوڑ دیا۔ اجمیر شریف کا چھوڑنا خود ایک لمبی داستان ہے جس کے لئے کئی صفحے مکمل چاہئے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد حضرت مع اپنے تمام تلامذہ کے حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سجادہ نشین دربار رضویہ کی دعوت پر اجمیر شریف سے بریلی رونق افروز ہوئے اور وہاں یہ سلسلہ درس ایک عرصہ تک جاری رہا۔

جوش تبلیغ:۔ اجمیر شریف کے قرب وجوار میں راجپوت قوم وہاں راجہ پرتھوی راج کی اولاد آباد ہے۔ جو مسلمان ہو چکی ہے لیکن ان میں بہت سی عادتیں مشرکانہ تھیں اور وہ فرائض اللہ سے بالکل ناواقف تھے ان راجپوتوں کی شادیاں خدام بارگاہ چشتیہ کے گھرانے میں اکثر ہوا کرتی تھیں چنانچہ خدام میں کے بعض شاگردوں نے ان لوگوں میں تبلیغ کا پروگرام حضرت کے ارشاد سے بنایا چنانچہ قرب جوار کے بہت سے علاقوں میں وقتاً فوقتاً تبلیغی جلسے ہوئے جس کی وجہ سے بہت اچھا اثر پڑا۔ اور مشرکانہ رسوم سے توبہ کرنے اور ایمان کے راستہ پر چلنے کا جذبہ اس راجپوت قوم میں پیدا ہونے لگا

اس سلسلہ میں مولوی سید محمد علی صاحب ازہری اور مولوی خیرات رکن صاحب اور مولوی سید محمد یونس اور مولوی سید اقبال احمد صاحب تلامذہ حضرت صدر الشریعہ و خدام درگاہ معلیٰ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات میں بھی خود اور آپ کے طلبہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مذہب اہل سنت کی اشاعت اور رد وہابیہ، مرزائیہ، قادیانیہ کیا کرتے تھے۔

نصیرآباد۔ بیاور، لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی ماڑوار چتور وغیرہ کے علاقہ میں تبلیغ ہوا کرتی تھی۔

تقریر:۔ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ کی تقریر نہایت ٹھوس مضامین اور تفسیر قرآن و حدیث پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ طریقہ تقریر یہ تھا کہ پہلے کسی آیت کی تلاوت فرماتے اس کے بعد اس کا ترجمہ فرما کر پھر آیت کی تفسیر اور اس کے متعلقات نہایت بسط سے بیان فرماتے۔ تقریر میں وہابیہ کے عقائد کا رد اور اہل سنت کے عقائد کا اثبات ہوا کرتا تھا۔ لیکن انداز بیان ایسا نرالا اور دلائل اتنے قوی اور حجتیں اتنی واضح ہوتیں کہ مخالف موافق سب کو ان باتوں کو تسلیم کرنا پڑتا۔ عموماً مقررین کی خاص تقریریں ہوتی ہیں جو انھوں نے یاد کی ہوتی ہیں اس کے اشارے کنائے بلکہ اٹھنا بیٹھنا تک انھوں نے مشق کے ذریعہ سے ٹھیک کیا ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے خیال ہے حضرت صدر الشریعہ کی کوئی تقریر رٹی ہوئی نہ تھی بلکہ تقریر بھی ایک مستند دینی درس اور ایک باوقار خطبہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی جوانی میں ایک یا چند تقریریں یاد کی ہوں، لیکن جہاں تک میرے سننے اور عام احباب کے سننے کا تعلق ہے سب لوگ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ آپ کے خطبے ہمیشہ نئے

اور باتیں عموماً نرالی ہوتی تھیں، البتہ درمیان میں احادیث مشہورہ اور تاریخی واقعات کی طرف اشارہ بھی ہوا کرتے تھے۔ میں نے بعض مرتبہ دیکھا ہے کہ حضرت کو اگر رات میں تقریر کرنی ہے تو دن کو دوپہر کے وقت بعد غذا یا کبھی اور وقت نہایت گہری سوچ میں مشغول رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی کچھ آہستہ آہستہ زبان سے بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تقریریں ہوتیں اور سماں بندھ جاتا۔

لطیفہ: حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں صاحب سجادہ نشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کے دولت کدہ پر ہر سال محرم شریف کی مجلسیں ہوتیں ان کی آخری تاریخ مجلسوں میں حضرت صدر الشریعہ کی دو تقریریں ہوا کرتی تھیں جن میں فلسفۂ شہادت واقعات میدان کربلا بیان فرماتے تھے، ان مجالس خیر میں دور دور سے لوگ شرکت کے لئے آتے۔ حضرت اجمیر شریف سے آئے تو آپ کے بعد مولانا معین الدین صاحب اجمیری وہاں تقریریں کرتے تھے۔ ایک دن ان کی تقریر ہو رہی تھی کہ چند اشخاص آپس میں بات کرنے لگے کہ یہاں تقریر تو مولانا امجد علی صاحب کے زمانے میں ہوتی تھی اور مجمع اس وقت ہوتا تھا۔ اور رونق کا وہ زمانہ تھا۔ اب تو دیکھو تو بول رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انجمن وہابیہ دیوبندیہ کا خاص گڑھ ہے۔ وہاں کے لوگ حضرت صدر الشریعہ کی تقریروں کو بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ اور حضرت کے وفور علم اور بلاغت کلام سے بہت متاثر ہوتے بلکہ تقریر کے بعد آپ کی تقریر کو کہتے تھے کہ ہمارے بھی یہی عقائد ہیں حالانکہ ان کے عقائد کا اس تقریر میں نہایت مدلل رد ہوا کرتا تھا۔ تقریر میں فضائل و مناقب پر انحصار نہیں رہا کرتا تھا تاکہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے ساتھ نیک اعمال کا جذبہ ترقی پاتا رہے۔

تصنیف: حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی سب سے مشہور تصنیف بہار شریعت ہے جس کے سترہ مطبوع حصے اہل سنت و الجماعت میں مستند اول ہیں۔ یہ درحقیقت فقہ کا "دائرۃ المعارف" انسائکلوپیڈیا ہے چونکہ عوام الناس کو فقہ کے معلومات کے بڑے ذخیرہ کی ضرورت تھی اور اس سلسلہ میں اردو کی اور چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں اور بہشتی زیور مولوی اشرف علی کی بھی اس زمانے میں رائج ہونا شروع ہوئی تھی جس میں عقائد اور غلط مسائل بے شمار تھے لہٰذا ایک ایسی کتاب کی ضرورت پڑی جو صحیح عقائد اور ٹھیک ٹھیک مسائل پر مشتمل ہو اس سلسلہ میں بہار شریعت کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ یہ کام غالباً ۱۳۳۴ھ میں شروع کیا گیا۔ پہلے بہار شریعت حصہ دوم لکھی گئی۔ اس کے بعد حصہ اول لکھی گئی اور سلسلۂ تالیف و تصنیف آخر عمر شریف تک جاری رہا۔ سترہواں حصہ عمر کے آخری حصہ ۱۳۶۲ھ میں تصنیف فرمایا۔ اس تصنیف و تالیف میں اتنا عرصہ اس لئے لگا کہ سال بھر درس و تدریس افتاء وغیرہ سے فرصت نہیں ملتی، صرف رمضان المبارک کا زمانہ ایسا تھا جس میں یہ کام ہوتا خصوصاً اواخر رمضان اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مشغولیت یہی بہار شریعت کی تصنیف تھی یا تلاوت قرآن مجید۔ جب ۱۳۶۱ھ رمضان المبارک کی ۲۲ تاریخ آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی اور بینائی بالکل زائل ہو گئی اس کے بعد سے تصنیف کا کام ختم کرنے پر مجبور ہوئے آنکھوں کا آپریشن خیرآباد ضلع سیتاپور کے اسپتال میں کرایا مگر یہ آپریشن کامیاب نہ ہوا آنکھوں میں مختصر سی روشنی عود کر آئی تھی جس کی وجہ سے دستخط وغیرہ کر لیتے تھے۔ لیکن لکھنے پڑھنے کا کام نہ کر سکتے تھے۔ آپ کی دوسری بڑی تصنیف آپ کے فتاوے ہیں، جو اکناف و اطراف ہندوستان سے آیا کرتے تھے۔ یہ بھی بڑے پایہ کی تصنیف ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ تین جلدیں وہ ہیں جو محفوظ رہ گئیں۔ ورنہ بیشتر فتاوی یا تو کہیں نقل ہی نہ ہوئے یا گم ہو گئے۔ اگر یہ فتاوی کسی زمانے میں زیور طبع سے آراستہ ہوئے تو نہایت مفید کتاب ہوگی۔ تیسری بڑی تصنیف حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ علیہ الرحمہ کی شرح ہے۔ یہ شرح عربی میں ہے۔ بہار شریعت صفحہ ۱۰۲ ج ۷ میں احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری۔

فرماتے ہیں ۸ محرم ۱۳۶۲ھ میں فقیر نے چند طلبہ خصوصاً عزیزی مولوی حافظ مبین الدین صاحب امروہوی عزیزی مولوی سید ظہیر احمد

صاحب نگینوی مولوی حافظ قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی و عزیزی مولوی محمد خلیل مارہروی کے اصرار پر شرح معانی الآثار معروف بطحاوی شریف کا تحشیہ شروع کیا تھا۔ کہ یہ کتاب نہایت معرکتہ الآرا احادیث کی جامع حواشی سے خالی تھی۔ استاذنا المعظم حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب پر کہیں کہیں تعلیقات تحریر فرمائے ہیں۔ وہ طلبہ کے لئے بالکل ناکافی ہیں مکمل اور مفصل حاشیہ کی اشد ضرورت تھی۔ اس تحشیہ کا کام سنہ مذکور میں تقریباً سات ماہ تک کیا۔ مگر مولوی عطاء المصطفےٰ کی علالت شدیدہ پھر ان کے انتقال نے اس کام کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور کیا۔ جلد اول کا نصف بفضلہ تعالیٰ محشے ہو چکا ہے۔ جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ ہیں اور ہر صفحہ بتیس ۳۲ یا چھتیس ۳۶ سطروں پر مشتمل ہے۔“ اس عبارت سے حضرت کے تبحر علمی اور زود نویسی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ محض چھ مہینے میں ساڑھے چار سو صفحات لکھے، روزمرہ ڈھائی سو صفحہ ۳۶ سطریں پر مشتمل جس کے لئے امہات کتب حدیث و رجال کے مطالعہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ تحریر فرمانے تھے۔ اس زمانہ تحریر میں یہ طلبا جو اب علما ہیں اکثر حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ شب بیداری کی وجہ سے یہ سب بیمار ہو گئے تھے لیکن حضرت اسی طرح کام کرتے رہے۔

ایک زمانے میں جب باتصویر قاعدے جاری ہوئے اور ان میں جانوروں کی تصویر کی وجہ سے اسلامی مدارس ایسے قاعدوں سے استفادہ حاصل نہ کر سکے تو مسلمان دیندار بچوں کے لئے آپ نے اسلامی قاعدہ نامی قاعدہ تصنیف فرمایا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ لیکن جاندار کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ترتیب ایسی نفیس رکھی تھی کہ اس قاعدہ سے تعلیم پانے والا بہت جلد اردو پر قادر ہو جاتا تھا۔ میں نے یہ قاعدہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی اردو کی دوسری کتاب پڑھی تھی۔ درمیان میں کوئی دوسرا قاعدہ یا کوئی اور کتاب نہ پڑھی۔ حضرت صدر الشریعہ کی تصنیف اور آپ کے فتاویٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ الفاظ سادہ دلکش، موثر، سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں۔ دقیق سے دقیق مسئلہ ایسا آسان لکھتے ہیں کہ کم فہم آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ حضرت کے خطوط میں بھی یہ خصوصیت نمایاں تھی کہ صرف ضروری باتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ کوئی زائد بات کبھی نہ ہوتی۔ خطوط میں تاریخ دن اور مقام روانگی کے بیان کا خاص اہتمام ہوتا۔ ایک دن میرے بڑے بھائی مولانا حکیم شمس الھدیٰ صاحب مرحوم کو ان کے بعض خطوط پر تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرا خط دیکھو کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں کہاں رہتا ہوں، لیکن میرے ہر خط میں ان تمام کی تصریح اس لئے ہوتی ہے کہ آسانی سے ہر شخص کو پوری بات معلوم ہو جائے۔ غالباً انھوں نے خط میں بعض ایسی ضروری فرو گذاشت کر دی تھی۔ اگر کوئی شخص خط کا جواب نہ دیتا تو اس پر بہت اظہار جلال فرماتے اور فرماتے کہ اگر تم کسی سے کوئی بات کرو۔ اگر وہ تم کو جواب نہ دے تو یہ بات تم کو کتنی ناگوار ہوگی اسی طرح سے اگر کسی خط کا جواب نہ دیا جائے تو اس کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔

یہ بات غالباً حافظ عبد الرؤف صاحب مدرس دار العلوم اشرفیہ سے فرمائی تھی اور انھوں نے کسی خط کا جواب نہ دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جس زمانے میں وہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم کے یہاں مقیم تھے۔ انھیں خطوط میں سے حضرت کا ایک خط ”مناظرہ سنی وہابیہ“ میں طبع ہوا ہے اس خط میں حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی مدفیضہ کو دعوت شرکت اجلاس دی ہے اس زمانے میں گھوسی میں مناظرہ ہونے والا تھا مناظرہ کی تاریخ غالباً ۵-۶ شوال تھی۔ دیوبندیوں کی طرف سے مولوی اشرف علی یا ان کا کوئی وکیل اور سنیوں کی طرف سے حضرت حجتہ الاسلام یا حضرت صدر الافاضل یا ان کے وکیل مناظر تھے۔ وہابیہ کے نہ آنے اور مناظرہ نہ کرنے کا حضرت کو یقین کامل تھا۔ اس شکست کے بعد جشن مسرت منانے کے لئے حضرت محدث صاحب قبلہ کو دعوت دی تھی۔ اور اسی میں تاریخ مناظرہ کی اطلاع اور وہابیہ کی شکست ہو جانے کا تیقن اور شرکت جشن کی دعوت صرف تین سطریں تھی، یہ خط بھی ایک تحریری اور واقعاتی کرامت ہے۔ حضرت کا ارشاد حرف بحرف صادق ہوا اور وہابیہ مناظرہ میں نہ آسکے بعد کے واقعات کے لئے روداد کی طرف توجہ فرمائیے۔

بہار شریعت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو عام کتب فقہ اردو

وعربی و فارسی میں نہیں بہار شریعت میں مسائل کو پہلے قرآن پاک کی آیتوں سے ظاہر کیا گیا ہے پھر احادیث کریمہ سے اس کی تاکید و تفسیر و تفصیل کی گئی ہے۔ اس کے بعد کتب فقہ سے اس کی مثالیں اور جزئیات کے ذخیرہ جمع کئے گئے ہیں۔ مسائل اس انداز سے اکٹھے کئے گئے ہیں کہ شاید و باید کوئی ضروری مسئلہ جس کی ایک عالم کو تلاش ہو وہ اس میں نہ ملے۔

ہم نے بہت سے مفتیان کرام سے جو آج کل بڑے بڑے مسند افتا پر متمکن ہیں سنا ہے کہ بہار شریعت نے فتاویٰ کے بارے میں بہت سہولت پیدا کر دی، پہلے مسئلہ بہار شریعت میں دیکھا پھر اصل کتاب نکال لی۔

لیکن عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ بہار شریعت کا حوالہ نہیں دیتے یہ بات صرف حضرت مولانا مفتی صاحبداد صاحب مفتی پاکستان کراچی میں بالخصوص ہے۔ کہ وہ اپنے فتاوی میں اکثر بہار شریعت کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ یہ بات دیانت اور فقاہت اور تقویٰ کے بالکل مطابق ہے کہ اصل ماخذ و مرجع کا پتہ چلتا رہے۔ اور پھر عوام و خواص میں بہار شریعت کا مستند ہونا مسلم ہو جائے۔ اہل سنت میں بہت زمانے سے مسلم ہے۔ بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے سنے ہوئے ہیں۔ سنے نہیں بلکہ حرف بحرف سنے ہوئے ہیں اور ان میں جگہ جگہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی اصلاح بھی ہوئی ہے۔ اور ان حصوں میں آخر میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تقریظات بھی موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ نے حضرت صدر الشریعہ کی تعریف فرمائی ہے :۔ "اخی فی اللہ ذی مہارت حضرت کو بھی الطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابو العلی مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی" اعظمی الخ

کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں اور غوث اعظم حضرت سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مشرب میں داخل ہیں اور اعظم گڈھ سکونت رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بتانے کے لائق ہے کہ اعظم گڈھ کی طرف نسبت اعظمی کے موجد بھی حضرت صدر الشریعہ ہیں ورنہ حضرت سے قبل لوگ اپنے کو اعظم گڈھی لکھا کرتے تھے۔ حضرت نے اس نسبت کو شہرت عطا فرمائی اور اب سب لوگ اپنے کو اعظمی لکھنے اور بولنے لگے۔

بہار شریعت کے گو سترہ حصے ہیں اور وہ قریب قریب کامل و اکمل کتاب ہے۔ لیکن ابھی چند ابواب فقہ باقی رہ گئے جو بقول صدر الشریعہ تین حصوں پر مشتمل ہوں گے۔ اور بہار شریعت اس لحاظ سے پوری مکمل نہ ہو سکی۔

تدریس :۔ حضرت صدر الشریعہ کا یہ بہت بڑا مشغلہ تھا اور عمر کے آخری اوقات تک یہ کام کبھی نہ چھوڑا۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ آج اکناف ہندوستان و پاکستان میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے حضرت کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تدریس و افتا کے خدمات میں مشغول ہیں۔ اس سلسلہ میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے تلامذہ اور ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ان دو روحانی فرزندوں نے مذہب اہل سنت کی بڑی خدمتیں کی ہیں۔

آپ کے سبق پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے طالب علم عبارت پڑھتا۔ اگر عبارت صحیح پڑھی فبہا ورنہ عبارت کی تصحیح اور نحوی صرفی مسائل کی مشق اور تخریج بھی عبارت خوانی کے درمیان فرما دیتے جب عبارت ختم ہو جاتی تو ترجمہ بھی طالب علم ہی کو کرنا پڑتا۔ ترجمہ اس طرح طالب علم سے کراتے کہ اردو زبان کی صحت اور اصل سے ترجمہ کی مطابقت اور معنے خیزی پوری طرح ہوتی۔ لفظی ترجمہ یا سطحی ترجمہ سے ہی طالب علم کی استعداد اور اس کی تیاری کا علم ہو جاتا تھا ——

میرے ہم سبق احباب ہر جگہ تو عبارت پڑھنے کی کوشش کرتے لیکن حضرت کے سامنے عبارت پڑھنے سے اکثر احباب گھبراتے، صرف چند ہی ایسے تھے جو بادل نخواستہ اس کی جرأت کرتے تھے۔ وہ بھی عموماً تیاری کے بعد —— ترجمہ میں بعض الفاظ سے چڑھ تھی۔ مثلاً فی کا ترجمہ بیچ یا اندر کرنے سے منع فرماتے تھے کہ اندر اسم ہے۔

اور فی حرف ہے۔ حرف کا ترجمہ حرف سے اور اسم کا ترجمہ اسم سے ہونا چاہیے۔ لہذا فی کا ترجمہ میں سے کرو۔ ایضاً کا ترجمہ وغیرہ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کا ترجمہ بھی کراتے تھے۔

لطیفہ:۔ دادوں میں تفسیر بیضاوی شریف ہو رہی تھی جس میں میں بھی شریک تھا اور مولانا وقار الدین صاحب، مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مولانا محمد خلیل صاحب کچھوچھوی مولانا مصطفیٰ علی سنبھلی وغیرہ تلامذہ شریک تھے۔ انھیں میں سے ایک دوست نے قالوا اتجعل فیہا" کا ترجمہ اس طرح کیا اور طالب لوگوں نے کہا۔ اس پر حضرت خوب ہنسے اور فرمایا کہ یہ تو انگریزوں والی اردو ہوئی کہ جذر لوگ بہت پریشان کرتا ہے وہ صاحب بھی اس لطیفہ کو ذکر کر کے ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس حضرت کے سامنے آدمی بالکل مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

جب طالب علم عبارت اور ترجمہ سے فارغ ہو جاتا۔ اب حضرت اصل عبارت کی نہایت واضح اور نفیس تقریر فرماتے، تقریر بالکل دل میں منقوش ہو جاتی اور مشکل سے مشکل مقام ایسا معلوم ہوتا کہ یہ کوئی دشوار مقام ہی نہیں۔ اگر کتاب بڑی اور فن کی ہوتی تو مطلب بیان کرنے کے بعد اعتراض و جواب جو اس مقام پر ہوتے ان کی بھی تقریر فرماتے اور کبھی کبھی خود میں کہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ خصوصاً قاضی مبارک، میر زاہد رسالہ۔ میر زاہد رسالہ امور عامہ اور خیالی و شمس بازغہ وغیرہ میں یہ باتیں اکثر ہوا کرتی تھیں ——— اور کتاب چھوٹی ہوتی تو طالب علم کی استعداد کے مطابق عبارت کی توضیح و تقریر فرما کر بس کر دیتے۔

میں نے جب دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں کافیہ پڑھنا شروع کیا تو جو حضرت ہمارے استاد تھے انھوں نے کلمہ لفظ پر پوری تحریر شریف اور سوال بالسوال سنا کر رکھ دی کافیہ سے ویسے ہی متردد تھے میں ہم لوگ مرعوب تھے اب جو یہ تقریر دل ناپذیر سنی تو ہوش اڑ گئے۔ حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ کافیہ بالکل سمجھ میں نہیں آتی فرمایا اچھا ہم پڑھا دیں گے۔ نماز ظہر کے بعد میں اور سید محمد علی صاحب اجمیری دونوں یہ کتاب حضرت سے پڑھنے لگے، پہلے ہی دن ایک صفحہ ابتدائی پڑھایا۔

اور اس کے مطالب اور معانی واضح فرما دیے۔ صرف یہ بات کہ بسم اللہ کے بعد الحمد شریف کیوں نہ لکھی اس کے دو تین سیدھے سادے جواب دے کر سبق ختم کر دیا۔ میں نے حیرانی سے دریافت کیا کہ یہاں ہمارے استاد نے تو بہت سے اعتراض اور جواب بیان کیے۔ فرمایا کہ یہ سب چیزیں شرح جامی میں آئیں گی۔" غرض آپ کا درس کلموا الناس علی قدر عقولہم الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ۔ کا نمونہ تھا۔ یہی حال احادیث کریمہ کی تعلیم میں ہوتا۔ ہر مقام پر ایک مختصر سی جامع مانع وافی و شافی تقریر فرماتے، شکوک و شبہات کے بادل خود بخود چھٹ جاتے اور علم و یقین کا سورج مشرق قلب و دماغ پر جلوہ گر ہو جاتا۔

حضرت کے تدریس کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر علم و فن کو یکساں پڑھاتے آپ کے کسی سبق میں کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کو اس فن میں مہارت اور اس علم میں ید طولیٰ حاصل نہیں۔ حدیث، تفسیر۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ منطق، فلسفہ۔ نحو۔ صرف۔ حساب۔ ہیئات۔ ریاضی۔ ہندسہ، طب و حکمت۔ اصول حدیث۔ غرض تمام علوم درس نظامی میں یکساں مہارت تھی اور یہ سب یا ان کے اکثر میں نے خود حضرت صدر الشریعہ سے حاصل کیے ہیں۔ ایک بخاری صاحب قسطنطنیہ سے شرح مطالع خرید کر لائے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں سارے ملکوں میں گھوم آیا کوئی اس کتاب کو پڑھانے کی حامی نہیں بھرتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ یہ کتاب مجھے مطالعہ کے لئے دیدیا کریں تو میں آپ کو یہ کتاب پڑھا دوں گا۔ چنانچہ روزانہ کتاب حضرت کو دے جاتے اور جب بعد مدرسہ کا وقت ۱۲ بجے ایک بجے ختم ہو جاتا اور سارے مدرسین چلے جاتے تو یہ سبق شروع ہوا کرتا تھا۔ اکثر ہم لوگ بیٹھے نظارہ بھی کیا کرتے تھے۔ اور کبھی قریب بیٹھ کر بھی سنا کرتے تھے۔ وہ بخاری صاحب اردو زبان سے ناآشنا تھے، حضرت ان کے لئے فارسی میں تقریر فرمایا کرتے تھے۔ غرض تقریباً ایک سال میں یہ کتاب انھوں نے ختم کی۔

اسی طرح حواشی قدیمہ و جدیدہ جو غیر مطبوع ہیں مولانا غلام

جیلانی صاحب و مولانا سردار احمد صاحب و مولانا رفاقت حسین صاحب وغیرہ کو بریلی شریف سے واپس آنے کے بعد پڑھایا کرتے آج کل کے علماء ان کتابوں کے نام سے بھی واقف نہیں، مضامین کا کیا پتہ ہوگا۔

حضرت کے سب سے آخری شاگرد دو تھے۔ ایک میری بہن سعیدہ اور دوسرے سبحان اللہ، ان دونوں کو حضرت نے مشکوٰۃ و تفسیر جلالین تک پڑھایا تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر میری زندگی رہے گی تو سعیدہ کو بخاری مسلم شریف تک پڑھاؤں گا، لیکن تفسیر جلالین پڑھانے ہی کے زمانے ہی میں حضرت کا وصال ہو گیا۔ اس وقت سعیدہ ابھی بچی تھی اور جوان نہ ہوئی تھی۔ ہاں آخری شاگردوں میں والدہ صاحبہ کا شمار بھی ہو سکتا ہے والد صاحب نے ان کو بھی ابتدائی نحو صرف تک کی تعلیم دی تھی۔ شروع میں صرف اردو خواں تھیں لیکن حضرت نے فارسی اور ابتدائی عربی تک ان کو تعلیم دیدی تھی۔ جس زمانے میں کہ آنکھیں کام نہ دیتی تھیں باہر سے آنے والے تمام خطوط وہی سنایا کرتی تھیں۔ اور جواب مولوی سبحان اللہ صاحب لکھا کرتے تھے۔

آپ کے درس میں ہندی و پاکستانی بنگالی، پنجابی، سندھی، مدراسی بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی، ایرانی حاضر ہوتے، غرض ہر نسل کے طلباء نے آپ سے استفادہ کیا اور ہر علاقے میں آپ کے تلامذہ پائے جاتے ہیں۔

افتاء:۔ یہ کام بھی حضرت نے آخر عمر تک کیا اور اس کام میں بہت مہارت حضرت کو تھی۔ اس مہارت اور بالغ نظری کو خود شیخ مجدد مأۃ حاضرہ نے سراہا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ (حضرت صدر الشریعہ) مولانا مولوی امجد علی صاحب میں سب سے زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سناتے جاتے ہیں۔ اور جو جواب میں دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقف ہو چکے ہیں۔ (الملفوظ صفحہ ۲، حصہ ۱) اجمیر شریف میں ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک فتویٰ لایا تھا جس میں سجدۂ تعظیمی کے بارے میں سوال تھا۔ آپ اس زمانے میں بہت سخت علیل تھے علالت کی وجہ سے آپ نے فتویٰ نہ لکھا اس قسم کا ایک فتویٰ مولانا معین الدین صاحب اجمیری سے دریافت کیا گیا تھا انھوں نے جو جواب دیا وہ اسی زمانے میں شائع ہو چکا تھا۔ آپ سے جواب کا تقاضا کیا گیا تو آپ نے اپنی نقاہت کے زمانے میں یہی جواب دیا۔

تلامذہ:۔ حضرت کے شاگرد بہت سے ہیں اور بہت سے وصال فرما چکے، پرانے شاگردوں میں مولانا عبد الکریم صاحب چتوڑی مرحوم، مولانا عبد الحی صاحب اور مولانا محمد یحییٰ صاحب بلیاوی، مولانا عبد العظیم صاحب بلیاوی اور مولانا نور محمد صاحب اعظمی اور ان کے علاوہ سیکڑوں علماء و فقہاء تھے۔ ہمارے زمانے میں خاص خاص چند نام یہ ہیں:۔

حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث والتفسیر بانی جامعہ رضویہ لائل پور، سابق خادم تدریس جامعہ رضویہ بریلی شریف صدر المدرسین مدرسہ اشرفیہ مبارکپور، حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب صدر المدرسین میرٹھ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اعظم کٹک صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت، حضرت مولینا غلام یزدانی صاحب (میرے برادرِ عم زاد) رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی شریف، حضرت مولینا مفتی اعظم کانپور مولانا رفاقت حسین صاحب بہاری، حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب پورنوی، مولانا مفتی غلام قادر صاحب پورنوی، مولانا شمس الدین صاحب جونپوری۔ مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی صدر المدرسین دار العلوم شاہ عالم احمد آباد۔ مولانا وقار الدین صاحب سابق مدرس اعلیٰ مظہر اسلام بریلی، حضرت مولانا محسن صاحب اور ان کے برادر مولانا ولی النبی صاحب حال مدرس انوار العلوم ملتان، مولانا نور محمد صاحب چتوڑی، مولانا عزو میاں صاحب، مولانا تقدس علی خاں صاحب، مولانا ابرار حسن صاحب، مولانا اعجاز ولی خاں صاحب، مولانا قاضی شمس الدین صاحب صدر مدرسین مدرسہ اہل سنت ٹانڈہ ضلع فیض آباد۔ مولانا سلیمان صاحب بھاگل پوری، مولینا

قاری اسرار الحق صاحب مولوی سبحان اللہ صاحب، مولانا مختار الحق صاحب خطیب جامع ٹوبہ ضلع لائل پور، مولانا حامد صاحب فقیہہ۔ مولانا عبدالعزیز صاحب ڈیرہ اسمعیلی۔ مولانا نور الحق صاحب پورنوی۔ مولانا قاری عبدالجلیل صاحب مرحوم الٰہ آبادی۔ مولانا محراب دین صاحب پشاوری ثم تکی حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب مولانا محمد الیاس صاحب سیالکوٹی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب بخاری۔ مولانا سید ظہیر احمد صاحب علی گڈھی۔ مولانا محمد مبین صاحب امروہوی مولانا فیض الحسن صاحب کچھوچھوی۔ مولانا محمد سلیمان صاحب سلہٹی۔ مولانا محمد علی صاحب اجمیری ازہری۔ مولانا محمد یحییٰ مرحوم صاحبزادہ حضرت قبلہ مولانا غلام آسی صاحب بلیاوی، مولانا غلام محی الدین صاحب مرحوم بلیاوی۔ مولانا مصطفیٰ علی صاحب سنبھلی صاحبزادہ مولانا عطاء المصطفیٰ مرحوم انی آخرہ للتقف عنہ حدہ۔ حضرت مولینا حکیم شمس الہدیٰ صاحب مرحوم صاحبزادہ اکبر۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ہیں جو براہ راست حضرت صدر الشریعہ کے شاگرد ہیں جن کا تذکرہ ضمناً پہلے گذر چکا ہے اور بہت سے افراد تو حیطۂ تحریر میں بھی نہیں آسکتے۔ حضرت نے بہت ہی ابتدائی جوانی سے تعلیم دینا شروع کیا۔ اور آخر عمر تک درس ہی دیتے رہے۔ اور آپ کے تلامذہ اکثر اہل علم و فضل ہوئے اور یا یہ لوگ مفتی ہوئے یا مدرس و مبلغ۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

"تاریخ وصال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ"

ان المتقین فی جنت وعیون

۶۷　　۱۳　　ہجری

بموقع چہلم

قطعہ

از:۔ شاعر مشرق شفیق جونپوری

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر جھکا دیں

حیات حضرت صدر الافاضل قدس سرہ

از مولانا حکیم محمد نذیر الاکرم صاحب نعیمی مرادآبادی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلسنت

حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء مرجع الفضلاء امام المناظرین رئیس المتکلمین مولانا الحاج حافظ قاری حکیم محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی دنیائے اسلام کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں ہے جنھیں ملت اسلامیہ کا ستون اور دین حق کا امام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کے حالات زندگی تفصیلی طور پر بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہے مگر چونکہ میرے محترم دوست حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی نے "پاسبان" کے مجدد نمبر میں شائع کرنے کے لئے حضرت قدس سرہ کے حالات زندگی پر ایک مضمون طلب فرمایا تھا اس لئے اس اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت صرف اجمالی حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

فقیر محمد نذیر الاکرم عفی عنہ

ولادت

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کا تاریخی نام "غلام مصطفیٰ" (۱۳۰۰ھ) ہے، آپ ایک عالی نسب اور اعلیٰ خاندان سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد اور اجداد گرامی حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت ابن مولانا امین الدین صاحب راسخ ابن مولانا کریم الدین صاحب آرزو اپنے اپنے دور میں فارسی اور اردو ادب کے استاد و امام مانے گئے ہیں۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت کے کئی فرزند حافظ ہو کر بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے آپ کے والد ماجد نے یہ نذر مانی تھی کہ اب اگر مولا تبارک و تعالیٰ فرزند عطا فرمائے تو اسے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا اگر معرکۂ جہاد ہوا تو اسے ساتھ لے کر میدان جہاد میں سرفروشی کروں گا۔ مولا تبارک و تعالیٰ نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ کو یہ فرزند سعید عطا فرمایا۔

ابتدائی تعلیم

حسب نذر عقیدت تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن کریم سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہن رسا عطا فرمایا تھا اور وہ قوت حافظہ بخشی تھی کہ آٹھ سال کی عمر میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا اور آخر عمر شریف تک برابر تراویح میں ختم قرآن کریم فرماتے رہے۔ لوگوں کی عقیدت و گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ کثرت جماعت کی وجہ سے لوگوں کو جگہ نہ ملتی تھی۔

اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کی اور عربی تعلیم میں ملا حسن تک کتابیں جامع معقول و منقول حضرت مولانا مولوی شاہ فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کی ذہانت و فطانت کا عام شہرہ تھا اسی بنا پر استاد معظم بھی بڑی شفقت فرماتے تھے۔

تکمیل علوم عربیہ

ملا حسن جب ختم ہوئی تو حضرت مولانا مولوی شاہ فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود اپنے ہمراہ لے کر صاحب کشف و کرامات جامع معقولات و منقولات امام العلماء حضرت مولانا مولوی شاہ سید گل محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی جودت ذہن اور طبع رسا کا بیان فرما کر حضرت کو اپنی شاگردی میں قبول فرمانے کی درخواست کی، چنانچہ بقیہ درس نظامی اور دورۂ حدیث وغیرہ حضرت مولانا گل محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پورا کیا غرض اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ

نقلیہ وطب یونانی وغیرہ کی تکمیل کر لی۔ دو سال مزید استاذ معظم کی خدمت میں رہ کر روایات کشی اور افتاء نویسی کی اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۰ھ میں نہایت شان وشوکت کے ساتھ دستار فضیلت سے سرفرازی ہوئی۔ آپ کے والد ماجد نے اس پر یہ قطعہ تاریخ تحریر فرمایا۔

ہے میرے پسر کو طلبہ پر وہ فضیلت
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت یغلیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت
۱۳۲۰ھ

زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ

دوران تعلیم ہی میں آپ نے بہت سے مناظرے فرمائے۔ طبیعت کی جودت، ذہن کی ندرت مخالف کو ساکت کرنے میں اپنی مثال نہ رکھتی تھی۔ ایک آریہ باہر سے کسی عہدہ پر تبدیل ہو کر مرادآباد آیا۔ اور اس نے محلہ گلشہید کے قبرستان کے قریب کرایہ پر مکان لیا اور مسلمانوں کو اس طرح پریشان کرنا شروع کیا کہ جو مسلمان قبرستان میں فاتحہ پڑھنے جاتا وہ اُسے بُلاتا اور کہتا کہ مرنے کے بعد روح تو دوسرے قالب میں منتقل ہو گئی یہاں کیا رکھا ہے جو تم کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے ہو۔

مسلمان اپنے دین سے ناواقف کوئی اس کی بات سن کر بغیر جواب دیئے چلا آتا، کوئی کچھ جواب دیتا تو وہ اسے منطقی بحث میں اُلجھا کر خاموش کر دیتا۔ بالآخر لوگوں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر حالات بیان کئے اور کہا کہ ہم مدرسہ شاہی میں گئے تھے کہ کسی عالم کو بھیجکر اس کی زبان بند کر دی جائے مگر وہاں کوئی صاحب تیار نہ ہوئے آخر ایسے دینی مدارس کس کام کے جو کفار کو جواب نہ دے سکیں اور مسلمان اپنا سا منھ لے کر چلے آئیں۔

حالانکہ یہ حضرت کی تحصیل علم کا زمانہ تھا مگر فرمایا کہ چلو میں چلتا ہوں۔ حضرت نے ان کے ساتھ جا کر قبرستان میں فاتحہ پڑھی، اس آریہ نے حسب عادت آپ کو بھی بلایا، حضرت اس کے مکان پر تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ وہ مسلمان بھی تھے جو اس کی گفتگو کا جواب نہ دے سکے تھے۔ اس نے حسب عادت اعتراض کیا۔ حضرت نے جواب دیا۔ اس نے روح کے حدوث وقدم کی بحث چھیڑ دی، بحمدہ تعالیٰ حضرت نے ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے کہ وہ آریہ ساکت ولاجواب رہ گیا اور اس نے عہد کیا کہ اب کسی مسلمان کو نہ چھیڑے گا۔

دربار اعلیحضرت کی حاضری

اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضری بھی عجیب طریقہ سے ہوئی۔ محمد ادریس نامی ایک دیوبندی مولوی راجپوتانہ کا رہنے والا بہت زبان دراز تھا، اس نے اعلیحضرت قدس سرہٗ کے خلاف ایک مضمون اخبار "نظام الملک" میں شائع کیا۔

حضرت صدرالافاضل قدس سرہٗ نے جب وہ مضمون پڑھا تو اسی دن اس کا جواب تحریر فرما کر اخبار "نظام الملک" کو اشاعت کے لئے بھیجدیا۔ مالک اخبار وہابیت کی طرف مایل تھے اس کے شائع کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب انھیں یہ بتایا گیا کہ اس سے تو تمھارے اخبار کی اشاعت بڑھے گی۔ سلسلہ مضمون دیکھنے کے لئے سنی اور وہابی دونوں ہی تمھارا اخبار خریدیں گے تو اس طمع دنیا کی وجہ سے انھوں نے وہ مضمون شائع کیا۔ مولوی ادریس نے اس کا جواب دیا حضرت صدرالافاضل قدس سرہٗ نے پھر اس کا جواب دیا۔ ہفتوں یہی سلسلہ سوال وجواب جاری رہا۔

بعض مقامات کے اہل سنت نے اعلیحضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں خط لکھے کہ آپ کے جو مضامین اخبار "نظام الملک" میں شائع ہو رہے ہیں ہمیں بھیجدیئے جائیں۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ کو یہ خطوط دیکھکر تعجب ہوا کہ میں نے تو "اخبار نظام الملک" کو کوئی مضمون نہیں بھیجا، لہٰذا دفتر نظام الملک سے اخبار کے پرچے طلب فرمائے جب مضمون دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور طریقہ استدلال کو بہت پسند فرمایا۔ ملا محمد اشرف صاحب مرحوم مرادآبادی جو اکثر اعلیحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے خط بھیجکر انھیں طلب فرمایا اور ان سے دریافت کیا کہ اخبار "نظام الملک" میں یہ کس کے مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک

فاضل نوجوان مولانا محمد نعیم الدین صاحب کے ہیں تو فرمایا کہ آپ انھیں کبھی یہاں نہ لائے۔

چنانچہ اس کے بعد ملا محمد اشرف صاحب مرحوم مغفور حضرت حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کو بریلی شریف لے کر حاضر ہوئے، اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز بڑی شفقت و محبت کے ساتھ ملے۔ اس کے بعد آمد و رفت کا ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا جاتا ہو کہ حضرت صدر الافاضل اعلیحضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے ہوں اور اگر کبھی ملاقات ہوئے زیادہ دن گزر جاتے تو اعلیحضرت قدس سرہٗ بےچین ہو جاتے اور آدمی یا خط بھیجکر حضرت کو بلواتے۔

سنہ ۱۳۲۰ھ میں حضرت صدر الافاضل کے استاد معظم حضرت مولانا گل محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا اعلیحضرت قدس سرہٗ نے یہ تاریخ تحریر فرمائی۔

لیھن ضلال النجد قلة ذلته
بموت محمد گل وغیبة هیبته
فموت هداة الدین فی الدین ثلمةٌ
کمافی حدیث لا انسداد لثلمته
مرید مرادا یادنا لو مرادهم
ولکن مضت للدین وعدة نصرته
فلا تفرحوا یا بور موتوا بغیظکم
فلیس اله الحق مخلف وعدته
الیس نعیم الدین غصة حلقکم
یبدد شمل الضالین بصولته
مضی الورد البقی اللہ ذا الزهر باسما
ودام نعیم الدین غضا بزهرته
یقول الرضا فی عام رحلة حبه
رواح محمد گل ببستان جنته

اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال پر مندرجہ ذیل اشعار اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمائے۔

یک شہادت وفات در رمضاں — روز جمعہ شہادت دگر است
مرض تپ شہادت سومی — بہر ہر سہ شہادتے خبر است
در مزارست چشم وا یعنے — پے دیدار یار منتظر است
مردہ ہرگز نے معین الدین — کہ ترا چوں نعیم دیں پسر است

حضرت مولانا معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں بعد وفات کھلی رہیں ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ بند نہ ہوئیں۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ نے حضرت سے فرمایا کہ بھائی آنکھیں بند کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ اپنی حیات مبارکہ میں خود ہی فرما گئے ہیں ؎

کھلی ہیں آنکھیں جو بعد مردن کسی کے ہیں انتظار میں ہوں
یہ کون آتا ہے آنے والا کہ منتظر ہیں مزار میں ہوں

اسی کی طرف اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز نے بھی اپنے شعر میں اشارہ فرمایا ہے کہ

در مزارست چشم وا یعنے
پے دیدار یار منتظر است

غرض اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز کو حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر ایسا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ بغیر حضرت کے مشورہ کے کوئی کام نہ فرماتے تھے۔ اگر کہیں مناظرہ کی ضرورت پیش آتی تو حضرت ہی کو وہاں بھیجتے اور کوئی کام ہوتا تو حضرت ہی کے سپرد فرماتے۔ نجیب آباد ضلع بجنور میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے چیلنج مناظرہ دیدیا۔ وہاں کے اہل سنت نے اعلیحضرت کو اطلاع دی، اعلیحضرت نے فوراً حضرت کو وہاں بھیجدیا۔ مولوی اشرف علی صاحب حضرت کا نام سنتے ہی چپکے سے فرار ہو گئے۔ اسی طرح بھاگلپور میں وہابیہ نے شر انگیزی کی اور مولوی محمد علی صاحب مونگیری کو بلوایا جو مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں بیس سال تک مدرس رہے تھے اور انھیں یہ گھمنڈ تھا کہ ان کی مثل ہندوستان میں کوئی عربی نہیں بول سکتا۔ انھوں نے اپنے اسی زعم کی بنا پر اہل سنت کو یہ چیلنج دیا کہ اہل سنت میں جو چاہے مجھ سے عربی زبان میں مناظرہ کر لے۔ وہاں کے اہل سنت نے اعلیحضرت کو تار دیا۔

اعلیحضرت نے حضرت صدر الافاضل اور حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہما کو وہاں بھیجدیا۔

حضرت صدر الافاضل نے وہاں پہنچتے ہی جواب دیا کہ وہابیہ کی یہ شرط کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا ہمیں منظور ہے لیکن اسی کے ساتھ دو شرطیں ہماری طرف سے بھی ہیں۔ مناظرہ عربی میں ہوگا، منظوم ہوگا، غیر منقوط ہوگا۔

یہ سنتے ہی مولوی محمد علی صاحب اور تمام وہابیہ پر موت طاری ہوگئی اور وہ خائب وخاسر ہو کر وہاں سے بھاگے۔ اہل سنت نے فتح وظفر کا جلسہ منعقد کیا جس میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے نہایت فصیح وبلیغ اور برجستہ تقریر فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالےٰ حضرت کو مناظرہ میں ایسا ملکۂ تامہ عطا فرمایا تھا کہ مخالف دم زدن میں ان کہی بول اٹھتا تھا۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو مناظر عیسائیوں سے مناظرہ کی مہارت رکھتے ہیں وہ آریوں سے مناظرہ نہیں کر سکتے، جو آریوں سے مناظرہ میں ماہر ہوتے ہیں وہ قادیانیوں وہابیوں وغیرہم سے مناظرہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ ہی کی خصوصیت تھی کہ اگر عیسائیوں کا کوئی مایۂ ناز مناظر سامنے آیا تو تھوڑی ہی دیر میں لاجواب ہو گیا۔ آریوں کا بڑے سے بڑا مناظر مقابلہ پر آیا تو دم زدن میں خاموش ہو کر فرار ہوا۔ وہابیوں غیر مقلدوں، قادیانیوں وغیرہم کو تو کبھی مقابلہ پر آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی، ہمیشہ نام سن کر ہی بھاگ گئے۔

ایک مرتبہ بریلی شریف میں آریوں کے مشہور ومایۂ ناز مناظر پنڈت رام چندر نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اعلیحضرت نے حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کو تار دے کر بلایا۔ حضرت نے پنڈت رام چندر سے مناظرہ کیا اور بہت تھوڑے وقت میں ساکت ولا جواب کر دیا۔

تقریر | اسی طرح آپ کی تقریر بھی اگرچہ اس میں اشعار وغیرہ کی رنگینی نہیں ہوتی تھی لیکن دلکشی اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ تقریر کا ایک جملہ بھی چھوڑنے کو کسی کا دل گوارا نہیں کرتا تھا معلوم یہ ہوتا تھا کہ علم وعرفان کی بارش ہو رہی ہے فیض کا دریا موجیں مار رہا ہے آیات کریمہ واحادیث شریفہ سے فضائل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے ایسے نکات استنباط فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے تھے۔ ایک ایک آیت پر ہر مرتبہ نیا ہی مضمون، نیا ہی بیان ہوتا تھا۔ آپ کی تقریر کے بعد سامعین کو کسی دوسرے مقرر کی تقریر پسند نہیں آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جلسوں میں حضرت علیہ الرحمۃ کی تقریر بالعموم سب سے آخر میں رکھی جاتی تھی۔

جس موضوع پر تقریر فرماتے تھے حقائق واسرار کے دریا بہا دیتے تھے ایک ایک لفظ سامعین کے دلوں میں اترتا ہوا چلا جاتا تھا اسی لئے ہر جگہ لوگ آپ کی تقریر سننے کے لئے اس طرح مشتاق اور بیتاب رہتے تھے جس طرح پیاسا پانی کے لئے۔ حضرت کی تقریر بڑے بڑے مقررین کے لئے ایک ماخذ ہوتی تھی۔ غرض ہر علم وفن میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ فلسفہ ومنطق کے ادق اور دشوار ترین عقدوں کو اشاروں میں حل کر دینا، شریعت وطریقت کے پیچیدہ مسائل کو آسانی سے سلجھا دینا آپ کی ایک معمولی بات تھی۔ مخالفین بھی

تمنّا

از: حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ

شب غم بھی آخر بسر ہو گئی　　تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی
مرے درد دل کی خبر ہو گئی　　جو چشم کرامت ادھر ہو گئی
مدینہ کا دیدار مشکل نہیں　　نگاہ عنایت اگر ہو گئی
دیار نبی میں گذر ہو گئی　　یہ تقدیر کس اوج پر ہو گئی
لئے قلب مضطر مدینہ میں پہنچا　　تسلی زمیں چوم کر ہو گئی
نگاہیں فدا روضۂ پاک پر　　جبیں عاشق سنگ در ہو گئی
مواجہ میں عرض صلوٰۃ وسلام　　مری آبرو اس قدر ہو گئی
میسر ہوا بوسۂ سنگ در　　یہ عزت تری نامہ بر ہو گئی
غموں میں مری اک اضافہ ہوا　　دوا درد کی درد سر ہو گئی
غم عشق تھا دل کے اندر نہاں　　مری پردہ در چشم تر ہو گئی

نعیم خطا کار پر یہ کرم
شفاعت نبی کی سپر ہو گئی

آپ کی قابلیت کا لوہا مانتے ہوئے تھے اور پرزور الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے تھے۔

پہلا سفرِ حج

۱۳۵۴ھ میں پہلا سفر حج فرمایا جس میں سلطان المشائخ قطب دوراں فرزند غوث اعظم حضرت شاہ اشرفی میاں صاحب کچھوچھوی قدس سرہ اور حضرت محدث اعظم ہند دامت برکاتہم اور ملک کے دیگر مشاہیر واکابر علماء و فضلاء اور کثیر التعداد میں متوسلین و معتقدین نیز راقم الحروف کے والد ماجد اور ان کے عم مکرم وغیرہم بھی شریک سفر تھے فقیر راقم الحروف کو بھی نعلین برداری کا شرف حاصل تھا، کلکتہ کی بندرگاہ سے یہ قافلہ روانہ ہوا تھا۔

عقیدتمندوں کا تار حکومت سعودیہ کے نام

آغاز سفر سے پہلے صوبہ بنگال کے بعض ذمہ دار حضرات نے حکومت سعودیہ کو یہ تار دیا تھا کہ ہندوستان کے اکابر ومشائخ کی ایک جماعت سفر حج کے لئے آرہی ہے جن کے عقائد تمہارے عقائد کے خلاف ہیں، اور جو تمہارے ناپاک عقائد کی بنا پر تمہیں خارج از اسلام جانتے ہیں وہ اپنی نمازیں بھی تمہاری جماعت سے الگ پڑھیں گے۔ دیگر ارکان حج بھی تمہارے تابع ہو کر نہ ادا کریں گے اسلئے حکومت سعودیہ ان کے بارے میں اپنا رویہ واضح کرے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی اور کس طرح پیش آئے گی۔

چنانچہ اس کے جواب میں حکومت سعودیہ کے تار کی ایک نقل جہاز ہی میں حضرت کو موصول ہوئی جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت سعودیہ کو کچھ ذمہ دار حضرات کی طرف سے مندرجہ بالا مضمون کا تار موصول ہوا ہے اس کا جواب ان کے پاس بھیجدیا گیا ہے، ایک نقل آپ کو بھی بھیجی جارہی ہے، آپ شوق سے تشریف لائیں، نماز اور دیگر ارکان وغیرہ آپ جس طرح چاہیں ادا کریں حکومت سعودیہ اس میں آپ سے کوئی مداخلت نہ کرے گی، بلکہ حکومت سعودیہ یہ خواہش رکھتی ہے کہ آپ اس کے ہی مہمان رہیں حکومت آپ کو سواری کے لئے موٹریں بھی دے گی قیام وغیرہ کے انتظامات کرے گی۔ حضرت نے اس کے جواب میں یہ تار دیا کہ ہم فقیر لوگ ہیں، حکومت کی مہمانی ہمارے لئے کسی طرح لائق و مناسب نہیں بس اتنی مہربانی کافی ہے کہ حکومت سعودیہ ہمارے کسی کام میں مداخلت نہ کرے۔ باوجود اس کے بھی ساحل جدہ پر حکومت سعودیہ کے کئی نمائندوں نے اس امر کی مزید کوشش کی کہ حضرت کسی طرح حکومت سعودیہ کا مہمان بننا منظور فرمالیں لیکن حضرت نے اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا۔

نجدی سپاہی کے مظالم

اس سفر مبارک کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لئے ایک مبسوط سفرنامہ چاہئے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ (صانہا اللہ عن شر الاعداء) کے دوران قیام میں ملاحظہ فرمایا کہ نجدی روضۂ اطہر کی طرف پشت کرکے بلکہ اس کی مقدس جالیوں سے تکیہ لگاکر بیٹھتے ہیں جب کوئی عقیدتمند زائر جذبۂ محبت میں سرشار ہوکر جالی شریف کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو مرد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے ڈھکیل دیتے ہیں۔

حضرت نے جب یہ ملاحظہ فرمایا تو دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان کی یہ گستاخی برداشت نہ ہوئی فوراً نجدی سپاہیوں کو عربی زبان میں ڈانٹا اور فرمایا ایک تو نامحرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی حرام ہے اور پھر دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو اشد ترین حرام ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہم نے بقصد شہوت ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ شہوت یا بغیر شہوت کی اس میں قید نہیں ہے نجدی سپاہی حضرت کے غصہ کے تیور دیکھکر گھبرا گئے۔ انھوں نے اطلاع دے کر قاضی شہر اور کوتوال کو طلب کرلیا۔ حضرت نے ان سے بھی یہی کہا۔ کچھ دیر مباحثہ رہا۔ مصر و ترکی، شام و عراق وغیرہ کے بہت سے حضرات یہ منظر دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ بالآخر اس قاضی کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ یہ غلطی ہے اور اس نے حضرت سے معافی مانگی۔ چنانچہ جب تک یہ مبارک قافلہ وہاں حاضر رہا، نجدی

سپاہیوں کو اس گستاخی کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت کے علم و فضل کا شہرہ سن کر غیر ممالک کے اکابر علماء و فضلاء ملاقات کے لئے آتے رہے غرض یہ سفر بڑا ہی نورانی اور اپنی نوعیت کا عجیب و غریب سفر رہا۔

جوشِ تبلیغ

اہل سنت کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ان میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کا ایک سچا جذبہ آپکے قلب مبارک میں تھا، اس کے لئے آپ نے بڑی بڑی کوششیں کیں دن رات سفر فرمائے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں، ہر طرح کا ایثار و قربانیاں کیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صدقہ میں ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔

اپریل سنہ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا عظیم الشان تاریخی اجلاس بنارس میں منعقد ہوا۔ یہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کی شخصیت ہی کا اثر تھا کہ اس اجلاس میں غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تمام اکابر علماء و مشائخ و رہبران دین و ملت حضرت کی دعوت پر لبیک کہہ کر تشریف فرما ہوگئے۔ یہ امید ہوگئی تھی کہ اب ملت اسلامیہ کا شیرازہ مزید انتشار سے بچ جائے گا اور تمام مسلمانان اہلسنت ایک مرکز پر جمع ہو جائیں گے۔

وفات

مگر مشیت ایزدی میں کسی کو کیا دخل کہ ہنوز یہ مقصد عظیم پوری طرح تکمیل بھی نہ پا سکا تھا کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۷ھ کو ۶۷ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قدس سرہ العزیز کی ایک نہ مٹنے والی یادگار ایک دارالعلوم (عربی یونیورسٹی) ہے جو جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہے جس کے فیض یافتگان سے ملک کا گوشہ گوشہ فیض پا رہا ہے، اور جو نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی دین و ملت کی اعلیٰ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت کی کثیر تصانیف سے بھی دنیا میں فیض کے دریا جاری ہیں۔

حضرت سیدی صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی تاریخہائے وصال بہت سے حضرات نے استخراج فرمائی لیکن ان میں محترم جناب پروفیسر حامد حسن صاحب قادری نقشبندی کے مجموعہ تواریخ کا مقام سب سے بلند ہے اس لئے انھیں کو پیش کیا جا رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَظِیْمِ ۝

۱۳۶۷ھ

تواریخ وفات جمع کمال

۱۹۴۸ء

صدر افاضل زماں خلد میں پاتے ہیں سکون
سال وفات بھی لکھوں۔ **فِی الْغُرُفَاتِ آمِنُوْن**

۱۹۴۸ء

سب بے سر و پا ہوگئے ایسا تھا مولانا کا غم
اے قادری خستہ دل تاریخ رحلت کر رقم
فضل و سخا رشد و ہدیٰ حلم و حیا عدل و کرم

ض	غ	ش	د	ل	ی	د	ر
۸۰۰	۹۰۰	۳۰۰	۴	۳۰	۱۰	۴	۲۰۰

۱۹۴۸ء

ہیں رو نما اب۔ درد و غم قہر و جفا رنج و ستم

د	غ	ج	ر	س
۴	۱۰۰۰	۳	۲۰۰	۶۰

۱۳۶۷ھ

(حاشیہ: ← صرف ابتدائی حروف کے اعداد)

(حاشیہ: صرف درمیانی حروف کے اعداد)

رضی عنہ اللہ الملک الوھاب

۱۳۶۷ھ

اعنی موت العالم موت العالم

۱۳۶۷ھ

تاریخ از کلام مجید

۱۳۶۷ھ

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝

۱۳۶۷ھ

صدر الافاضل والا جاہ مولانا مولوی حکیم نعیم الدین صاحب

۱۹۴۸ء

فات من الدہر صدر الافاضل — کان صفیا و صار رضیا
قادری ارخت فوت نعیم — عاش تقیا و مات زکیا

۱۳۶۷ھ

Regd. No. A-1344 MARCH-APRIL 1962.

PASABAN MONTHLY
ALLAHABAD-3



جس حق بولتی کتاب کا بے چینی سے انتظار تھا وہ منظر عام پر آہی گئی ــ !

یعنی

انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُنکی
انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی

خون کے آنسو

جلد اوّل

صفحات ۲۵۶

قیمت مجلّد ۳ روپئے

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی ایڈیٹر "پاسباں" کی ذہن وفکر میں زلزلہ ڈالنے والی معرکۃ الآرار تصنیف

جسمیں

علامۂ فضل حق خیرآبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تحریک جہاد کا موازنہ، علمأ دیوبند کی انگریز دوستی کا تفصیلی جائزہ مولانا فضل امام اور مولانا فضل حق کے علمی کارنامے "المهند کا پس منظر، جامع المجددین، اور الامداد" پر مُدیر برھان مولانا سعید احمد اکبرابادی کا بے لاگ تبصرہ حفظ الایمان کی عبارت پر علماء دیوبند کی باھمی دھینگامشتی اور خانہ جنگی اور ساتھ ھی فاران کراچی، حیات قاسم، مکتوبات شیخ، ارواح ثلثہ، تذکرۃ الرشید، مکالمۃ الصدرین، شیخ الاسلام نمبر، سیف یمانی، اشد العذاب، نذر عقیدت، تواریخ عجیبہ نصرت آسمانی، آئینہ صداقت، تفسیر حقانی، مسئلہ قومیت، الشہاب الثاقب، الثورۃ الھندیہ نقش حیات، نشر الطیب، مختصر سیرت نبویۂ جیسی سیکڑوں کتابوں سے علمأ دیوبند کی رسول دشمنی اور تضاد بیانی کا کھلا ھوا ثبوت دیا گیا ھے۔

گویا خون کے آنسو علما دیوبند کی سیکڑوں کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ھے۔

جس کا مطالعہ

شک اور شبہہ کے دلدل سے نکال کر آپ کو ایمان ویقین کی دولت گرانمایہ بخشے گا اور آپ انصاف ودیانت کی روشنی میں حق وباطل کا

دوٹوک فیصلہ کرسکیں گے ......

آج ہی اپنے آرڈر سے ہمیں اطلاع دیجئے ورنہ دوسرے ایڈیشن کے انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑے گی "خون کے آنسو" کو خود پڑھئے اور اس کو گھر گھر پہنچایئے اگر ہوسکے تو بعد مطالعہ اپنی رائے سے "مکتبۂ پاسباں" کو اطلاع دیں تاکہ جلد دوم میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ "خون کے آنسو" خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کے ریسرچ اور کاوش ذہنی کی آئینہ دار ہے اور مکتبۂ پاسباں کی نادر شاہکار جس کو پیش کرتے ہوئے ہم مسرت محسوس کررہے ہیں۔

دبیز کاغذ — نفیس کتابت — عمدہ طباعت — مضبوط جلد — گردپوش رنگین — قیمت صرف تین روپے

نوٹ :- ماہنامہ پاسباں الٰہ آباد ملت اسلامیہ کا واحد ترجمان ہے جو ہر ماہ علمی، تاریخی ادبی مضامین کا حسین گلدستہ بنکر پابندی وقت سے شائع ہوتا ہے، سالانہ ہدیہ صرف للعہ/ خود خریداری قبول فرمائیں اور دوسروں کو رغبت دلاکر اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائیں **امام احمد رضا** جس میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ تقریبًا پندرہ سے زائد علماً ومشائخ کے حالات زندگی علامہ نظامی نے قلمبند فرمائے ہیں۔ جو پریس جاچکی ہے۔ قریبی دنوں میں مکتبہ پاسباں آپ کی خدمت میں پیش کرے گا۔

مذہبی — ادبی — تاریخی — کتابیں — مکتبہ — پاسباں — سے — طلب — فرمائیے۔

راحت القلوب
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بلندپایہ تصنیف جذب القلوب کا اردو ترجمہ - قیمت عہ

لطف وظائف اشرفی
از فیوض برکات حضرت آشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ
قیمت عگ

کربلا کا مُسافر
خلافت معاویہ ویزید کا سنجیدہ و مدلل جواب . مرتبہ مولانا مشتاق احمد نظامی قیمت عگ

نغمات سیّد
سید العلما مولانا سید عبدالحق کا نعتیہ کلام
قیمت ۸/

جلوۂ حرم
جناب جمل سلطانپوری کا تحسین الٰہ آبادی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ جلوۂ حرم ۱۰/ سماں عرش ۸/ خورشید عرب عہ

اشک ندامت
جناب راز الٰہ آبادی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ
قیمت عہ

نغمہ وترنم
جناب بیکل اتساہی کے گیت وغزل کا مجموعہ
قیمت عہ

نسیم رحمت
بچوں کے لئے زبان اردو کا نصاب تعلیم
مرتبہ مولانا مشتاق احمد نظامی
قیمت عہ

فردوس ادب
بچوں کے لئے زبان اردو کا نصاب تعلیم
مرتبہ مولانا مشتاق احمد نظامی
قیمت

تنویر الایمان فی فضائل شعبان
مرتبہ مولانا مشتاق احمد نظامی
قیمت ۴/

خط وکتابت اور تار کا پتہ :-

انوار احمد نظامی مکتبۂ پاسبان الٰہ آباد ۳

Only Cover Printed at Desh Sewa Press, Allahabad-3